تبدیلی بذریعہ تعلیم

ترتیب و تالیف

پروفیسر ڈاکٹر نجیب الحق

ڈین پشاور میڈیکل کالج

شعبہ تربیت پرائم فاؤنڈیشن

پشاور میڈیکل کالج ورسک روڈ پشاور

تبدیلی بذریعہ تعلیم

ڈاکٹر نجیب الحق
پروفیسر آف میڈیسن، ڈین پشاور میڈیکل کالج
ایم بی بی ایس (پاک) ایف سی پی ایس (پاک) ایم آر سی پی (یو۔کے)
ایم اے سی جی (امریکہ) ایف آر سی پی (گلاسگو) ایف آر سی پی (ایڈنبرا)

شعبہ تربیت پرائم فاؤنڈیشن
پشاور میڈیکل کالج ورسک روڈ پشاور

نام کتاب	:	تبدیلی بذریعہ تعلیم
مصنف	:	پروفیسر ڈاکٹر نجیب الحق
صفحات	:	48
تعداد	:	1100
تاریخ اشاعت	:	دسمبر 2017ء
ناشر	:	پرائم فاؤنڈیشن پاکستان

پیش لفظ

تعلیم کا مسئلہ اہمیت اور ترجیحات کے لحاظ سے امت مسلمہ کے لیے سر فہرست ہے۔ تعلیم کا حصول اسلام میں حق اور ضرورت نہیں بلکہ فرض ہے۔ اپنے حق سے انسان دست بردار ہو سکتا ہے جبکہ فرض سے نہیں ہو سکتا۔ تعلیم کے ذریعے ایک نسل اپنے نظریات، اخلاق و عقائد، تہذیب و ثقافت اپنی نوخیز نسل کو منتقل کرکے ان کی سوچ و فکر کو اپنے سانچے کے مطابق ڈھلوالیتی ہے۔ اپنے مقصد و مدعا کے مطابق انسانوں کی تبدیلی کا واحد ذریعہ یہی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تعلیم و تربیت کے ذریعے پستی میں ڈوبے ہوئے انسانوں کی سوچ و فکر اور عمل کو تبدیل کرکے ان سے آسمانوں کے روشنی دینے والے ستارے بنادئے۔ انسانوں کا عمل اس کی سوچ و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ عمومی طور پر ایک بچہ سترہ اٹھارہ سال تک تعلیم کے عمل سے گزرتا ہے اسی دوران اس کی سوچ و فکر اور اخلاق و کردار بنتا ہے۔ اگر سوچ و فکر صحیح بن جائے تو وہ باکردار، امانت دار، دیانت دار، فرض شناس، باصلاحیت انسان بنے گا۔ اور اگر وہ غلط ہو تو بدیانت، بے اصول، جھوٹا، دغاباز، فرض ناشناس، رشوت لینے والا اور دینے والا غیروں کی مفادات کو تحفظ دینے والا بنے گا۔

کسی بھی نظام تعلیم میں سب سے اہم اور بنیادی سوال یہ ہوتا ہے کہ آپ نے کس قسم کے افراد تیار کرنے ہیں۔ اپنے مقصد و مدعا کے مطابق افراد تیار کرنے کے لیے ایسا نظام تعلیم اور نصاب تیار کرنا ہوگا جو مطلوبہ باصلاحیت اور باکردار افراد تیار کرسکے۔ یہ کام کیے بغیر مطلوبہ نتائج کے حصول کی خواہش خام خیالی اور خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں۔ اس اہمیت کے پیش نظر پاکستان کے وجود میں آتے ہی ملک کے لیے اپنا نظام تعلیم تیار کرکے نافذ کرنا چاہیے تھا مگر بدقسمتی سے پے در پے حکومتوں کے ارباب اختیار نے اس اہم مسئلے سے صرف نظر کرکے غلام قوم کے لیے مروجہ نظام تعلیم کو تسلسل دیا جو آج تک مختلف شکلوں میں جاری ہے۔ اس کے بھیانک نتائج پوری قوم کے سامنے موجود ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر نجیب الحق ڈین فیکلٹی آف میڈیسن پشاور میڈیکل کالج امت مسلمہ کے زبوں حالی کا درد سینے میں لیے ہوئے اس بات کے لیے کوشاں ہیں کہ نوجوان طبقہ کی تعلیم وتربیت کا اہتمام نظریاتی بنیادوں پر کی جائے کیونکہ تعلیم وتربیت ہی تبدیلی کا ذریعہ ہے۔زیر نظر مضمون اس کی اسی سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔ انہوں نے قرآن و سنت سے حوالے دیکر اپنی بات و پیغام کی وضاحت کردی ہے۔ جو حضرات ملک میں مثبت تبدیلی لانے کے خواہش مند ہیں اور دوڑ دھوپ کررہے ہیں ان کی مدد اور رہنمائی کے لیے اس مضمون میں بہت سارا مواد موجود ہے۔ انفرادی اور خاندانی تبدیلی لانے کے لیے بھی یہ ایک موثر نسخہ ہے۔ جو لوگ رویوں میں تبدیلی لانے کے لیے سنجیدہ ہیں وہ اس کو عمل میں اتار کر ایک مثبت تبدیلی اپنے اندر پیدا کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے کاوشوں کو مقبول فرمائے اور دنیا وآخرت میں اجر خیر عطا فرمائے۔

پروفیسر ڈاکٹر ظاہر شاہ
سابقہ ڈین فیکلٹی آف لائف اینڈ کیمیکل سائنسز
اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

تقریظ

''تبدیلی بذریعہ تعلیم'' صوبہ کے نامور معالج اور درد دین رکھنے والے ماہر تعلیم جناب پروفیسر ڈاکٹر نجیب الحق صاحب کی صرف قابل تحسین بلکہ قابل تقلید کاوش ہے۔ جہاں اسلامی معاشرہ کی غفلت اور اغیار کی عیاری سے فائدہ اٹھا کر نوجوان بچوں اور بچیوں کو بے دینی کے یلغار سے بچانے کے لئے گائیڈ لائن دے رہے ہیں۔ اس میں دورائے نہیں بلکہ یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ ہمارا نظام تعلیم اس وقت قابل رحم حالت میں ہے۔ جہاں تعلیم پسماندگی اور انحطاط کا شکار ہے، میرے خیال میں ہم نے آج تک تعلیم کو وہ حیثیت نہیں دی جو اسلام کے آفاقی نظام نے دی ہے۔ ہم دھوکہ کے شکار ہو کر تعلیم کو ''ضرورت'' کا درجہ دے رہے ہیں۔ اور اس بنیاد پر منصوبے بنائے جاتے ہیں کہ تعلیم ہماری ضرورت ہے حالانکہ امت مسلمہ کی حیثیت سے تعلیم ہماری عبادت ہے۔ ضرورت کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں تعلیم حصول رزق کا ایک ذریعہ ہے۔ جہاں کہیں متبادل ذرائع میسر ہوں تو تعلیم کی ضرورت نہیں رہتی اور جہاں کہیں معمولی توجہ دی جائے تو وہاں اسے کاروبار کی حیثیت دے کر تعلیم کا تقدس پاؤں کے نیچے روندھا جارہا ہے۔ تعلیم عبادت ہو کر اس کا متبادل کوئی نہیں اور نہ کسی دوسرے مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے بلکہ تعلیم خود عبادت ہو کر بذات خود مطلوب و مقصود ہے جس کا مطمع نظر معاشرہ کو باکردار رجال کار کی فراہمی ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے موجود نظام تعلیم سے یہ توقع رکھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ چاہئے کہ ملکی سطح پر ایک ایسی تحریک چلائی جائے تو نظام تعلیم میں اصلاح اور درستگی کا علمبردار ہو اور پورے ملک کے نظام تعلیم کو تبدیل کرکے اصلاح کا بیڑا اٹھائے۔ عالمی حالات کے تناظر اور مسلمانوں کی زبوں حالی سے شائد یہ مقصد ہم قریب وقت میں حاصل نہ کر سکیں تو نعم البدل کے طور پر ڈاکٹر صاحب کی تجاویز کو مشعل راہ بنا کر اساتذہ کی تربیت پر زور دیں۔ حکومت کے منصوبوں کے انتظار کے بغیر رفاہی ادارے اور ملک وملت کی وفادار شخصیات اور درد

دین رکھنے والے حضرات اس جہاد میں عملی طور پر شریک ہوں تاکہ بچوں میں ملک وملت کے وفاداری کا جذبہ ابھرے۔ جب تک نوجوان نسل میں پاکستان سے وفاداری اور اسلام سے وابستگی کا جذبہ پیدا نہ ہو۔ یہ کبھی بھی ملک کے جغرافیائی اور نظریاتی سرحدات کی حفاظت نہیں کر سکتی بلکہ عین ممکن ہے کہ اغیار کے مقاصد کی تکمیل کا آلہ کار ثابت ہو۔

بہتر ہوگا کہ اساتذہ کی تربیت کے لئے غیر سرکاری ادارے اس پلیٹ فارم کو استعمال کریں۔ اساتذہ کے یونین اور ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کے نظماء کے ذریعہ یہ کتابچہ ہر ایک استاذ کے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔ میں ذاتی طور پر یہ کتابچہ خرید کر ایک سو اساتذہ تک اس پیغام کو ان شاء اللہ پہنچانے کی کوشش کروں گا۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کی یہ محنت قبول فرمائے۔آمین

مفتی غلام الرحمٰن
مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور پاکستان
ڈائریکٹر العصر ایجوکیشن سسٹم

حرفِ چند

مملکتِ خدا داد پاکستان کے تعلیمی نظام اور تعلیمی پالیسیوں کا حال ہم سب کو معلوم ہے۔ اس پر مستزاد اغیار کی ریشہ دوانیاں اور عوام کی بے حسی رہی سہی کسر پوری کر رہی ہے۔ موجودہ نظام تعلیم سے تعلیم یافتہ رجال کی بجائے پیسہ کمانے کے مشین فارغ ہوتے ہیں بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ پاکستان میں تعلیم کا مقصد صرف اور صرف پیسہ کمانا اور نوکری کرنا بن گیا ہے تو یہ بات درست ہوگی۔

یہ تو اپنی جگہ ایک حقیقت ہے "پاکستان نظام تعلیم" شروع سے ہی اغیار کی طرف تحفہ ہے اور بقول لارڈ میکالے "ہم نے یہاں ایسا نظام تعلیم چھوڑا ہے کہ اس سے جو بھی فارغ ہوگا وہ نسلی اعتبار سے تو مشرقی ہوگا لیکن ذہنی و فکری اعتبار سے مغربی ہوگا۔" اس پر بھی اغیار کو چین نہ آیا تو سوچے سمجھے سازش کے تحت ہماری تہذیب و تمدن کو بدلنے کے لیے تعلیم کو تبدیلی کا ذریعہ بنا کر کئی اعتبارات سے مختلف تبدیلیاں کی گئی۔ کبھی ایجوکیشن ایکٹ کے نام پر اساتذہ کا توجہ ہٹایا گیا کبھی غیر کی امداد پر انحصار کیا گیا۔ کبھی نصاب میں تبدیلی کی گئی تو کبھی ذہین طلبہ کی بڑے بڑے سکالر شپس کے ذریعے ذہن سازی کی گئی۔

ان ناگفتہ بہ حالات میں بہت کم خدا ترس لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہ اغیار کی ان چالوں کو سمجھ کر اپنی استطاعت کے مطابق ان کا سد باب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور حکومتی اصلاحات کا انتظار کیے بغیر اپنی طرف سے لوگوں کی راہنمائی کا بیڑا اپنے سر لیتے ہیں۔ الحمدللہ ان چنیدہ لوگوں میں سے میں پاکستان کے معروف و مشہور معالج ہمارے محترم ڈاکٹر نجیب الحق صاحب بھی ہیں۔ آپ کی یہ کاوش حد درجے کی مفید اور عوامی بیداری کا سبب بننے کا پیش خیمہ ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ اس کتاب کو ہر ممکن حد تک سکولوں و کالجز تک پھیلایا جائے۔

اللہ سے دست بہ دعا ہیں کہ وہ محترم ڈاکٹر نجیب الحق کی اس کاوش کو اپنی دربار عالیہ میں منظور فرمائیں۔ اس کو ہمارے معاشرے کے اصلاح کا ذریعہ بنائے اور ڈاکٹر صاحب کو مزید توفیق دیں کہ آپ کی یہ کاوش آخری نہیں بلکہ اس تحریک میں یہ پہلی سیڑھی ثابت ہو۔

(مفتی) محمد ایاز حفظہ اللہ
خادم جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۙ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ۙ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۙ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۙ

زیر نظر مضمون میں اس نظام تعلیم کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے جو کئی برسوں بلکہ صدیوں کے ارتقائی عمل کے نتیجہ میں اس وقت موجودہ شکل میں ہمارے ملک میں رائج ہے۔ جو طلباء طالبات اس نظام تعلیم سے فارغ ہو رہے ہیں ان کے اخلاقی رویّے، حب الوطنی، طرزِ زندگی اور مقاصد زندگی اسی تعلیمی نظام کا پرتو ہیں۔

سب سے پہلے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تعلیم / علم کسے کہتے ہیں؟ اس کی اہمیت کیا ہے؟ اور تعلیم کا مقصد کیا ہونا چاہیے؟

علم / تعلیم کی قسمیں۔ ''معلومات'' یا ''اطلاعات'' (informations) الفاظ کا وہ مجموعہ ہے جس میں کسی چیز یا عمل کے بارے میں کوئی بیان یا پیغام پایا جاتا ہو۔ جبکہ علم ''اطلاعات'' کا وہ ''حصّہ'' یا ''مجموعہ'' ہے جو انسان کے لئے کسی نظریے (عقیدے)، عمل یا چیز کی حقیقت کو جان لینے میں مدد دیتا ہو۔ اور اگر اس سے یہ مقصد حاصل نہ ہو رہا ہو تو الفاظ کے ان مجموعے کو اطلاع تو کہہ سکتے ہیں علم نہیں۔ علم کا حصول دماغ کا کام ہے اور جب یہ قلب میں اتر جائے تو انسان کے جوارح اس کا اظہار عمل کی شکل میں کرتے ہیں پس اس کا عمل اس کے علم ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

علم دو طرح سے انسان تک پہنچتا ہے ایک کسبی علم ہے جسے acquired knowledge کہا جاتا ہے۔ جسے انسان اپنے طور پر اپنے ذرائع اور کوشش کی بنا پر سیکھتا ہے۔ مثلاً طب کا علم، فزکس، کیمسٹری اور علم نباتات وغیرہ سب کسبی علوم ہیں۔

دوسرا وہبی علم ہے۔ یہ وہ علم ہے جو بطور ''ہبہ'' مل جائے اور بغیر محنت کے حاصل ہو جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہوتا ہے اور اس کو revealed knowledge

کہتے ہیں جو اللہ نے مختلف ذریعوں سے انسان کو دیا ہے۔ اس کا اعلیٰ ترین ذریعہ وحی ہے۔ اس کے علاوہ شریعت کی اصطلاح میں الہام یا ''القاء فی القلب'' بھی اس میں شامل ہے اور شریعت کے دائرے کے اندر اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

ہم جب بحیثیت مسلمان اس موضوع پر بات کریں تو ہمیں ان دونوں ذریعوں کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔

علم اور تعلیم کی تقسیم عموماً دنیاوی اور دینی کی بنیاد پر کی جاتی ہے جس کا نتیجہ دو قسم کے تعلیمی نظاموں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسلام اس طرح کی تقسیم نہیں کرتا بلکہ ایسے کسی بھی علم کی تعلیم جس کا مقصد انسانیّت کی بھلائی ہو، اس علم کا حصول اور اسکی ترویج اللہ کی رضا کی خاطر ہو اور اس کا طریقۂ تعلیم اسلام کے اصولوں سے متصادم نہ ہو تو یہ اسلام کی مقصود تعلیم ہے اور اللہ کے ہاں باعثِ اجر ہیں۔ اسی بنیاد پر اسلام میں علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی علمِ نافع اور غیر نافع۔

علم کی دو قسموں یعنی علم نافع اور غیر نافع کے درمیان فرق کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ بہت ہی مختصراً اس کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ''وہ علم جو خالق اور مخلوق کے رشتے اور پہچان کو مضبوط کرے وہ نافع علم ہے۔ اور جو یہ احساس پیدا نہ کر سکے اور اس رشتے اور پہچان کی دوری کا سبب بنے وہ غیر نافع ہے۔

قرآن مجید کی سورۃ حٰم السجدۃ کی آیت ۵۳ میں اللہ ارشاد فرماتے ہیں: سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۵۳

ترجمہ: ''عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے؟''

ایک ڈاکٹر اگر اپنے جسم کے اعضاء اور اسکے نظام پر غور کرے اور اس طرح اپنے اندر اللہ کی نشانیوں کو سمجھے اور پھر اپنے طالب علموں کو بھی اس طرف متوجّہ کرے اور اللہ کی پیدا کردہ اِن حکمتوں پر غور و فکر کے نتیجے میں اللہ پر ایمان اور خالق اور مخلوق کا تعلق مضبوط ہو تو طب کا یہ علم بھی ''علم نافع'' ہے۔ لیکن اگر یہی سبق خالصتاً ایک طبّی سائنس سمجھ کر پڑھ لیا جائے تو اس سے کچھ دنیاوی فوائد تو یقیناً حاصل ہو سکتے ہیں لیکن یہ علم نافع کی اس تعریف میں نہیں آتا جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے اور نہ اس کی تعلیم سے وہ مقصد پورا ہوتا ہے جو اسلام کا مطلوب ہے۔ یہی حال دوسرے مضامین مثلاً فزکس، کیمسٹری، انجنیرنگ، فلسفہ اور معاشیات وغیرہ کا بھی ہے کہ وہ خالق اور مخلوق کے رشتے کو مضبوط کر رہے ہیں یا کمزور۔

اسی بنیاد پہ ان کی نافع اور غیر نافع کی تقسیم ہو گی۔ البتہ یہ بات حتمی ہے کہ خالق کی پہچان اور اس کے حقوق کی ادائیگی کی تفصیلات اور علمی اور عملی تقاضے صرف اور صرف علم دین اور علم وحی سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح غیر نافع وہ سارا علم ہے جو خالق سے دوری اور اس کی نافرمانی کا سبب بنے، گو کہ وہ بظاہر دین کے نام پر ہی کیوں نہ حاصل کیا گیا ہو کیونکہ اس کی وجہ سے حقیقتاً انسان گمراہی اور بدعات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

علم کی تاثیر:

علمِ نافع اور غیر نافع دونوں انسانی سوچ اور فکر پر اپنے اپنے انداز میں اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کے نتیجے میں بالاخر انسان کا عمل بھی متاثر ہو جاتا ہے۔ تعلیم کے اثر انداز ہونے کی زبردست طاقت کو علامہ اقبالؒ نے یوں بیان کیا ہے:

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے ادھر پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

ایک انسان کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو لیکن اگر اُس کی سوچ کے زاویے منفی انداز میں بدل گئے تو لامحالہ اُس کا عمل بھی راہِ حق سے ہٹ جائے گا۔ایسا شخص لوگوں کی نظر میں چاہے کتنا ذہین وفطین ہی کیوں نہ ہو در حقیقت اسکی حیثیت مٹی کے ایک ڈھیر سے زیادہ کچھ نہیں۔ ابلیس بھی تو ذہین تھا لیکن ہمیشہ کے لیے لعین ٹھہرا کیونکہ اس کی سوچ کا انداز بدل گیا تھا۔ نظام صرف ذہانت نہیں بلکہ مقصدیّت کی بنیاد پر قائم اور پروان چڑھتے ہیں۔

یہ بات تعلیمی نظام پر منحصر ہے کہ وہ سوچ کے زاویوں کا رخ کس طرف موڑتا ہے؟ جیسا تعلیمی نظام ہوگا ویسا ہی اس کا نتیجہ ہوگا۔ ابلیسی نظام سے ابلیس صفت اور ملکوتی نظام سے فرشتہ صفت ہی پیدا ہوں گے۔ یہ ممکن نہیں کہ نظام تو ابلیسیّت پر مبنی ہو اور ہم اس سے ''فرشتے'' پیدا ہونے کی توقع رکھیں۔ تعلیم ہی انسان کی سوچ کے زاویوں کو بدلتی ہے اور اس کی زندگی کے مقصد اور جدوجہد کا تعین کرتی ہے۔اور خصوصاً بچپن کی تعلیم کے تو بہت دور رس اثرات ہوتے ہیں۔ تبھی تو حضرت حسن بصریؒ نے کہا تھا کہ بچپن کی تعلیم پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔اب یہ استاد پر منحصر ہے کہ وہ لکیر سیدھی بناتا ہے یا ٹیڑھی۔

تعلیم کی اہمیت:

رسول اللہ ﷺ نے ہر مسلمان کے لیے تعلیم کو لازمی قرار دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے لیے معلّم کا لفظ استعمال کیا ہے اور فرمایا "وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً" "بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا" آپ ﷺ نے کسی مخصوص شعبہ کا بطور پیشہ ذکر نہیں فرمایا جیسے انجنیئر، ڈاکٹر، فلسفی وغیرہ مگر معلم یعنی استاد ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اِس پیشے کی اہمیت کیا ہے؟ اور اسی حدیث سے تعلیم کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے؟ قُرآن میں علم کی اہمیت کے بارے میں متعدد آیات موجود ہیں۔ اسی طرح کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورۃ الزُّمُر۔۹) "کیا صاحب علم و بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟" ایک اور آیت میں ارشاد ہے "رب زدنی علما۔ اے رب میرے علم میں اضافہ فرما"۔ کسی اور چیز میں اضافہ کی نہیں بلکہ علم میں اضافے کی بات ہو رہی ہے۔ علم والوں کو اللہ نے بھی افضل قرار دیا ہے۔

اب اوپر بیان کی گئی حدیث انمّا بعثت معلماً کا مکمل متن ملاحظہ کریں:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو ، قَالَ : خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ مِنْ بَعْضِ حُجَرِهِ ، فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ ، فَإِذَا هُوَ بِحَلْقَتَيْنِ ، إِحْدَاهُمَا يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ ، وَيَدْعُونَ اللَّهَ ، وَالأُخْرَى يَتَعَلَّمُونَ وَيُعَلِّمُونَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ : كُلٌّ عَلَى خَيْرٍ ، هَؤُلاَءِ يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ ، وَيَدْعُونَ اللَّهَ ، فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ ، وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ ، وَهَؤُلاَءِ يَتَعَلَّمُونَ وَيُعَلِّمُونَ ، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا فَجَلَسَ مَعَهُمْ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول ﷺ گھر کے ایک کمرے سے باہر مسجد میں تشریف لائے تو دو حلقے دیکھے ،ایک حلقے کے لوگ قُرآن پڑھتے اور اللہ سے دُعائیں مانگتے تھے اور دوسرے حلقے کے شرکاء تعلیم و تعلّم کر رہے تھے (سیکھتے سکھاتے) اس پر نبی ﷺ نے فرمایا دونوں خیر پر ہیں (اچھا کر رہے ہیں) یہ لوگ قُرآن پڑھتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں اور یہ یہ لوگ سیکھتے اور سکھاتے ہیں اور میں معلم (سکھانے والا) بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر ان کے ساتھ بیٹھ گئے (جو تعلیم و تعلّم کا کام کر رہے تھے)۔ (سنن ابن ماجہ)

غور فرمائیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد پہنچے تو وہ کن لوگوں کے پاس جا کر بیٹھے؟۔اُن کے پاس نہیں جو ذکر و عبادت میں مشغول تھے بلکہ ان کے پاس جو درس وتدریس میں مشغول تھے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک علم کی اہمیت کیا تھی؟ محمد مصطفٰی ﷺ ہی ہمارے لیے آئیڈیل شخصیت ہیں اور ہمیں اُن ہی کی اتباع کرنی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول ہے کہ "علم پیغمبروں کی میراث ہے۔ اور مال کفار، فرعون، قارون وغیرہ کی میراث ہے۔" ہر مسلمان اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے کہ وہ کس کی میراث کے لیے کام کر رہا ہے؟ فرعون و قارون کی میراث کیلئے یا نبیوں اور پیغمبروں کی میراث کے لیے؟ اور فیصلہ کرے کہ وہ کس کا وارث ہے؟۔ دعویٰ کس بات کا کر رہا ہے اور کر کیا رہا ہے؟ اسے سوچ سمجھ کر ٹھنڈے دل سے یہ فیصلہ اور تجزیہ کرنا ہوگا کہ کیا اس نے اپنے علم کو بھی کہیں صرف "فرعون اور قارون کی میراث حاصل کرنے کا ذریعہ تو نہیں بنا دیا؟

رزق حلال کمانا کوئی جرم نہیں ہے لیکن استاد کو اس بات پر خوب غور و فکر کرنی ہو گی کہ اس کی سوچ کا محور کیا ہے؟ اور اس کی زندگی کی ترجیح کیا ہے؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور اس طرح مسلمانوں نے بڑی بڑی سلطنتوں پر قبضہ کیا۔ مگر انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اسلام کی تاریخ میں لڑی گئیں ان

جنگوں اور غزوات کا مقصد حکومتوں اور مال و زر پر قبضہ کرنا تھا یا ان کا بنیادی مقصد کوئی اور تھا؟ تاریخ گواہ ہے کہ بنیادی مقصد صرف یہ تھا کہ اُن تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا جائے جو حقیقی تعلیم (یعنی قرآن اور سنّت کی تعلیم) کی راہ میں حائل تھیں۔ اور جہاں بھی یہ رکاوٹ نہیں تھی وہاں زمین اور حکومت کے حصول کے لیے کبھی جنگ نہیں ہوئی۔

غزوہ بدر کے مشہور واقعہ میں کچھ قیدیوں کو کیا معاوضہ (فدیہ) لے کر چھوڑا گیا؟ معاوضہ صرف یہ مقرر ہوا کہ وہ چند مسلمان بچوں کو تعلیم دے دیں۔ ظاہر ہے ان کافروں نے مسلمان بچوں کو اسلام کی تعلیم تو نہیں دینی تھی صرف لکھنا پڑھنا ہی سکھانا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اصلی اور حقیقی اور سب سے اعلیٰ علم تو دین اور قرآن کا علم ہی ہے لیکن اس واقعہ سے اسلام میں لکھنے پڑھنے کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے کہ یہی لکھنے اور پڑھنے کی صلاحیت حقیقی علم کے حصول میں مدد و معاون بنتی ہے۔

تعلیم کا مقصد:

سورۃ البقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ ۹

ترجمہ: ”اے ہمارے ربّ، ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو، جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے۔ تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔“ (البقرۃ۔۱۲۹)

یہ ہے تعلیم کا وہ مقصد جو دین ہم سے چاہتا ہے اور بحیثیت مسلمان ہمیں اسی کو اپنانا چاہیے۔ اس آیت میں طریقہ تعلیم کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے۔

پہلا کام: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ : (Pass on the information) (علم کی) بات دوسروں کے سامنے بیان کرو۔

دوسرا کام : وَيُعَلِّمُهُمْ : (Make them understand) بات اس طرح پہنچاؤ کہ اُن کو سمجھ آ جائے۔

تیسرا کام: وَالْحِكْمَةَ :(Deliver it with wisdom) اپنی بات حکمت سے کرو اور بات کی حکمت بھی بیان کرو۔

چوتھا کام: وَيُزَكِّيْهِمْ : (Personal and Professional Development) یعنی اس پورے نظامِ تعلیم کا Ultimate مقصد تزکیہ ہونا چاہیے۔ اس لفظ کے معانی میں باطنی پاکی اور اس کے نتیجے میں عمل کی تبدیلی سبھی شامل ہیں۔

اس آیت میں وہ سارے درجے بھی بیان کئے گئے ہیں جو سیکھنے سکھانے میں پیشِ نظر رکھنے چاہیں۔ تعلیم کا اصل مقصد (يُزَكِّيْهِمْ) ہے۔ اور یہی استاد کا حقیقی ہدف بھی ہونا چاہیے۔ اور اس میں وہ سب چیزیں شامل ہیں جو تعلیم کی ترویج، تشریح اور اس کی غرض و غایت کی وضاحت کے لیے ضروری ہیں۔

اس کی مثال ایسے دی جا سکتی ہے کہ ایک ڈاکٹر اگر کسی طالبِ علم کو معدے کے السر کی بیماری اور دوا کے بارے میں میڈیسن یا فارماکولوجی (علم الادویات) میں ایک دوا Omeprazole (جو کہ معدہ کے السر کے لیے استعمال ہوتی ہے اور جس کا اثر چوبیس گھنٹوں سے زیادہ رہتا ہے) کے بارے میں پڑھاتا ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی سمجھا دیتا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ السر کے مریض اگر یہ دوا استعمال کریں تو عمومی طور پر ایسے مریضوں کو روزہ رکھنے میں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ اور پھر یہ بھی بتا دے کہ کس طرح اللہ نے معدے کو معدے ہی میں پیدا ہونے والی تیزاب (جس کی معدے کو ضرورت ہوتی ہے اور اس کی غیر موجودگی معدے کے کینسر کا سبب بنتی ہے) سے محفوظ رکھنے کے لیے کئی حیران کن کیمیائی، طبعی اور

دوسرے نظام بنائے ہیں جس کی ذرا سی خرابی السر اور کینسر جیسی خطرناک بیماریوں کا سبب بن جاتی ہے۔اس طرح اگر ایک ڈاکٹر سائنسی حقائق کی روشنی میں اپنے طالبِ علموں کو اللہ کی صفتِ تخلیق و حکمت کے اس ادنٰی نمونے کی وضاحت کردے اور یہ تشریح (تعلیم) اللہ اور طالب علم کی قربت کا سبب بن جائے اور ساتھ ہی دین کے احکام پر عمل کا موجب بھی، تو یہی علم نافع ہے اور اسلام کا مقصود بھی۔

اگر ہم تعلیم اس طرح دیں گے تو پھر ہمیں اور ہمارے طلباء کو بھی سمجھ آجائے گی کہ حقیقی تعلیم کیا ہے؟ یہی طریقہ اور مقصد ایک مسلمان استاد کی تعلیم کو دوسروں سے ممتاز بناتا ہے اور اگر یہ نہ ہو تو پھر اس کی اور ایک دوسرے استاد (غیر مسلم) کی تعلیم کے مقصد میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

موجودہ صورتِ حال:

اب ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ پچھلی دو چار صدیوں میں ہمارے نظام تعلیم کے ساتھ کیا ہوا اور اس کا کیا نتیجہ نکل رہا ہے؟ ہو سکتا ہے نیچے دی گئیں بہت سی معلومات کا آپ کو پہلے سے ہی علم ہو لیکن ممکن ہے تذکیر کے نتیجے میں بعض باتیں اور تصورات زیادہ کھل کر سامنے آجائیں۔

موجودہ عالمی منظر نامہ (World view) کیا ہے اور مسلمانوں کے تعلیمی نظام کے ساتھ کیا ہوا؟ پاکستان میں اس وقت کیا کیفیت ہے اور اس کا نتیجہ کیا نکل رہا ہے؟ اور ہمیں کیا کرنا ہے؟ ہم ان موضوعات پر مختصراً بات کریں گے۔

حق اور باطل کی کشمکش بہت پرانی ہے اور باطل کی ابلیسی کوششیں تخلیق آدمؑ سے ہی شروع ہوئیں۔ جب انسان کو زمین پر بھیجا گیا تو زمین پر پہلا خون اسی ابلیسی کوشش کا نتیجہ تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے شیطان کے بہکاوے میں آکر اپنے بھائی ہابیل کو حسد کے سبب قتل کیا اور یہ شیطان کے اُس عہد کا عملی نمونہ تھا جس کا ذکر قرآن میں ان الفاظ میں موجود ہے:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿١٧﴾

(شیطان) بولا، ''اچھا تو جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا، (۱۶) آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے ان کو گھیروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔ (۱۷)''

(سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۶ اور ۱۷)

اور اسی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾

(اے آدمؑ کے بچو) کیا میں نے تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرو؟ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، (۶۰) اور میری ہی بندگی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے (۶۱) مگر اس کے باوجود اس نے تم میں سے ایک گروہِ کثیر کو گمراہ کر دیا۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے؟ (۶۲)۔ (سورۃ یٰس آیت ۶۰ تا ۶۲)

اس وقت سے لیکر آج تک (اور مستقبل میں بھی) ابلیس اپنے ایجنڈے پر کاربند اور حق سے برسرِپیکار ہے۔ اور حق و باطل کی یہ کشمکش قیامت تک جاری رہے گی۔ ہم اسی تناظر میں تاریخ کے حوالے سے پچھلی تین صدیوں کا مختصر جائزہ لیں گے۔

سب سے پہلے ایک مشہور کتاب The protocol کا ذکر کرتے ہیں یہ یہودیوں کی پلاننگ کی ایک کتاب ہے جو انہوں نے دو صدیاں پہلے لکھی اور اس کا راز ایک یہودی خاتون نے فاش کیا جو خود اُس کمیٹی کی ممبر تھی جس نے یہ سب کچھ ترتیب دیا۔ بعد میں اس کا روسی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ پہلے اس کتاب کے بارے میں دو مشہور غیر مسلم شخصیات چرچل اور ہنری فورڈ کی رائے ملاحظہ فرمائیں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ ونسٹن چرچل کے الفاظ یہ ہیں:

"This movement of the Jews is not new. --- This world wide conspiracy for the overthrow of the of civilization and for the

reconstitution of society on the basis of arrested development , of envious malevolence and impossible equality has been growing steadily[1]"

ترجمہ: "یہودیوں کی یہ تحریک نئی نہیں، یہ تیزی سے پھیلتی ہوئی ایک عالمی سازش ہے جو تہذیبوں کی بیخ کنی کرکے اپنے شکنجے میں پوری گرفت کے ساتھ ناممکنہ برابری اور بھرپور نفرت بھری ایک نئی یرغمال سوسائٹی تعمیر کر رہی ہے۔"

اور ہنری فورڈ نے اس وقت کے معروضی حالات کے تناظر میں یہ بات کہی۔

The only statement I care to make about the protocols is that they fit in with what is going on. They are sixteen years old and have fitted the world situation up to this time. They fit in now.

(Henry Ford — Newyork Times . 17th Feb 1922)[2]

ترجمہ: "دی پروٹوکولز کے بارے میں اپنی ذمہ دار رائے کا اظہار اس لیے کروں گا کہ یہ موجودہ حالات پر چسپاں ہوتی ہے۔ یہ سولہ سال پُرانی ہے اور اب تک کی دنیا کی صورت حال اس کے عین مطابق ہے۔" (ہنری فورڈ۔ نیویارک ٹائمز ۷ افروری ۱۹۲۲)

اِس کتاب کے protocol 2 میں لکھا ہے:

The intellectuals of Goyim will puff themselves up with their knowledge and without any logical verification will put into effect all the information available from science, which our agentur

---

[1] Winston Churchill Sunday Herald Feb 1920

[2] World concur through world government — The protocols of learned elders of Zion Page 25. Translated from Russian of Segyei A. Neilus by VICTORE E. MARSDEN

specialist have continuously pieced together for the purpose of educating their mind in the direction we want.

Do not suppose a moment that these statements are empty words: think carefully of the success we arranged for Darwinism, Marxism and Neitziesm. For us the Jews it should be plain to see what a disintegrating effect these directions have had upon the minds of goyim[3].

ترجمہ: غیر یہودی دانشور ان نظریات سے لیس ہو کر بغیر کسی منطقی تصدیق کے ان نظریات کو روبہ عمل لانے کی کوشش کریں گے اور ہمارے ماہر گماشتے اپنی کمال عیاری سے ان کی فکر کا رخ اس طرف موڑ دیں گے جو ہم نے ان کے لیے پہلے سے مقرر کی ہوئی ہے۔ آپ کو ایک لمحے کے لیے بھی شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ یہ خالی خولی الفاظ ہیں بلکہ غور کیجیے کہ ڈارون کے نظریے کو کس نے کامیابی سے ہمکنار کیا؟ مارکسیت اور نطشے کے فلسفے کا کس نے لوہا منوایا؟ ہم یہودیوں پر بہر طور یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان نظریات سے غیر یہودی دماغ کس قدر منتشر اور پراگندہ کیے گئے۔ (ترجمہ از اردو ورژن)

یہودی ان تمام لوگوں کو Goyim کہتے ہیں جو غیر یہودی ہیں۔ اس میں مسلمان اور عیسائیوں سمیت تمام انسان شامل ہیں۔ یہودیوں کے نظریہ کے مطابق یہ سب لوگ انسان کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔

اس کے بعد درج ذیل پیراگراف بھی دیکھیے جس میں وضاحت کی گئی ہے کہ قوموں کے افکار میں تبدیلی کو وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کتنا ضروری سمجھتے ہیں۔:

[3] ibid

" It is indispensible for us to take account of the thoughts, character, tendencies of nations in order to avoid making slips in political and in the direction of administrative affairs" [4]

" ہمارے لیے دوسری قوموں کی خیالات کا تجزیہ کرنا اور ان کے خصائل و کردار کا مطالعہ کرنا اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ سیاسی اور انتظامی امور میں (ہماری) معمولی سی کوتاہی کا احتمال بھی باقی نہ رہے۔" (ترجمہ از اردو ورژن)

درج بالا پیراگراف میں دراصل تین ناموں کا نہیں بلکہ تین فلسفوں کا ذکر ہے جو میڈیکل سائنس، سوشل سائنس اور معاشیات وغیرہ میں پڑھائے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "انکی کامیاب عملداری ہم نے ترتیب دی ہے۔اس کے خالق ہم ہیں اور ہم نے ان کے نظریات کو آگے پھیلایا۔" فلسفے اور سائنس کے نام پر تعلیمی نظام کے ذریعے اثرانداز ہو کر اسلام کے بنیادی عقائد کو چیلنج کیا گیا۔ان فلسفوں کی تعلیم کا جو نتیجہ نکلا وہ ہم سب کے سامنے ہے۔

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ یہ فلسفے تو بس صرف کتابی باتیں اور ایک "دانشورانہ تصور" ہوتے ہیں اور ان کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایسا نہیں ہے۔ یہ بات سمجھنا بہت ضروری ہے کہ فلسفیانہ تصوّرات جب تعلیم کا حصہ بنتے ہیں تو یہ یونیورسٹیوں میں علمی حلقوں اور دانشوروں کے بحث کا موضوع بن جاتے ہیں اور بالآخر ایک بڑا تعلیم یافتہ طبقہ اس کے زیرِ اثر آجاتا ہے۔ پھر یہی لوگ مختلف الفاظ اور طریقوں سے اخبارات، الیکٹرانک میڈیا، لٹریچر اور دوسرے ذرائع سے ان فلسفوں کا اظہار مختلف انداز میں کرتے ہیں۔اس طرح یہ فلسفے درسگاہوں سے نکل کر عوام پر اثر انداز ہو جاتے ہیں۔ عوام کے کم تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ طبقے ان فلسفوں کو نہ سمجھتے ہوئے بھی ان کے اثرات کو عملی زندگی میں کسی نہ کسی

---

[4] Ref: World concur through world government – The protocols of learned elders of Zion Page 25.

حد تک قبول کر لیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی عوام کے "لیڈر" بھی انہی کے زیر اثر عوام کی "رہنمائی" کرتے ہیں۔اس طرح یہ فلسفے سیاسی غلبے کا موجب بھی بن جاتے ہیں۔

فلسفوں کی یہ قوت اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ ان کے تہذیبی اثرات خود بخود معاشرہ میں نظر آنے لگتے ہیں۔ پھر یہ ایک "خود حرکتی" قوت کی شکل میں زندگی کے ہر شعبے میں اپنی جڑیں مضبوط سے مضبوط کرتے ہوئے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو جکڑ لیتے ہیں۔لوگ شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کو حقیقت سمجھ لیتے ہیں, بلکہ بسا اوقات ان کو ماننے کے لیے دلیل کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے کیونکہ یہ سب فلسفے ان کے سامنے مسلسل ایک حقیقت کی طور پہ پیش کیے جارہے ہوتے ہیں۔ عملی میدان میں یہ اس قدر چھا جاتے ہیں کہ دوسرے تمام نظریات کو انہی فلسفوں کے پیمانے اور اصولوں کے مطابق پرکھا جانے لگتا ہے۔

اگر مسلمان اپنے دین کو دنیا میں نافذ کرنا چاہتے ہیں تو انہیں سب سے پہلے زمانے کے موجودہ تناظر میں اسلام کو ایک برتر نظام اور نظریہ ثابت کرنا ہو گا۔ایک طرف تو اسے ہر سطح پر اپنے تعلیمی نظام کا حصّہ بنانا ہو گا اور دوسری طرف دنیا کے دانشوروں کی ایک معتدبہ تعداد کو اس بات کا یقین دلانا ہو گا کہ اسلام دنیا میں امن، عدل و انصاف، انسان کی اخلاقی اور مادّی ترقّی کے لیے مروجّہ فلسفوں کے مقابلے میں نہ صرف بہتر بلکہ اعلیٰ ترین نظریہ ہے۔اس کے لیے غیر مسلم دانشوروں کے ساتھ گفت و شنید (dialogue) کا دروازہ کھولنا پہلا قدم ہے۔ علمی اور نظری برتری کے بغیر عملی برتری قائم نہیں کی جا سکتی۔

اس تناظر میں دیکھیں تو ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا ایک بنیادی نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کے نظریہ تخلیق کی نفی کی گئی۔اور نہ صرف یہ کہ انسان کو اللہ کی طرف سے ایک مقصد کے تحت تخلیق کرنے اور اس کو خلافت کے لئے اس کرہ ارض پر بھیجنے کی نفی کی گئی بلکہ نتیجتاً انسان کے مقصد حیات کی بھی نفی کر دی گئی ۔ دوسرا نتیجہ "Survival of the fittest" جس کی لاٹھی اُسکی بھینس کی صورت میں ظاہر ہوا۔ طاقت اور مادی قوت کو انسانوں کے زندہ رہنے یا نہ رہنے کا پیمانہ بنا دیا گیا اور

اس طرح منطقی طور پر مادہ پرستی Materialism کا نظریہ پروان چڑھا۔ انسانی تعلقات کی روحانی اور اخلاقی بنیادوں کو ختم کر دیا گیا۔ زندگی کے معیارات بدل گئے۔ خدا کے تصوّر کو غیر ضروری سمجھ لیا گیا۔ اس نظریہ کے اثرات آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ سالوں بلکہ صدیوں پر محیط اس محنت اور منظّم اور مربوط planning کا نتیجہ ہے کہ آج انسان کی قیمت کم اور ڈالر کی زیادہ ہے۔ نفسا نفسی ہے۔ دولت کا حصول مقصدِ حیات ٹھہر گیا ہے۔ حرام حلال کی تمیز ختم ہو گئی اور دنیا میں صحیح معنوں میں جنگل کا قانون چلنے لگا۔ آج فیصلے اور اصول کا معیار طاقت ہے انسانی اقدار اور اخلاق نہیں۔ یہ ہے ڈارونزم کا نتیجہ جو بظاہر ایک سائنسی فلسفے کے طور پیش کیا گیا اور اس کے زہریلے معاشرتی اثرات کا احساس بڑی دیر کے بعد ہوا۔

ڈارون ازم کے مقابلے میں ایک اور نظریہ Theory of intelligent creation کا ہے۔ اس نظریے میں خالق کا تصوّر موجود ہے۔ نظریات اور رائے کی "آزادی" کے اس دور میں آج بھی جن غیر ملکی یونیورسٹیوں میں یہ تھیوری پڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اُن اداروں کے خلاف عدالتوں میں مقدمات قائم کیے گئے تاکہ اسے پڑھانے سے روکا جاسکے کیونکہ اس میں خالق اور مخلوق کا تصور موجود ہے۔ یہ صرف اس لیے کہ ڈارونزم کے مقابلے میں کوئی اور تھیوری نہ آسکے۔ حتیٰ کہ کتاب پر لگے اس لیبل کو بھی غیر قانونی قرار دیا گیا جس پر صرف یہ لکھا تھا کہ "ڈارون کی تھیوری کو بھی دوسری تھیوریوں مثلاً Theory of intelligent Creation کے ساتھ کھلے ذہن کے ساتھ پڑھا جائے" صرف ایک مضمون میں امریکی عدالتوں میں ایسے دس مقدمات کی تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔[5] یہ سب کچھ باقاعدہ سوچ کر کیا جا رہا ہے کیونکہ ڈارون ازم کے فلسفے کا ہدف لوگوں کی سوچ کے محور اور دھاروں کو کنٹرول کرنا ہے اور اس کے جاری وساری رکھنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا کیا جارہا ہے۔

[5] http://ncse.com/files/pub/action/10-Significant-Court-Decisions.pdf

دوسرا مشہور نام کارل مارکس کا ہے جس کو بابائے اشتراکیت یا Father of Communism کا خطاب ملا۔ اس کے نظریات کا نتیجہ بھی معاشرے کے اخلاقی اقدار کے لیے زہرِ قاتل سے کم نہ تھا۔ اس نظریے کے نتیجے میں انسانی رشتوں اور تعلقات کی بنیاد معاشی ترجیحات (financial considerations) بن گئیں۔

اخلاقیات اور روحانیات کو پسِ پشت ڈال دیا گیا۔ مادہ پرستی (Materialism) نے روحانیت (Spirituality) کی جگہ لے لی۔ خدا کے وجود کو زندگی کے لئے غیر ضروری سمجھا گیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب روس کے باجگزاروں نے کہا کہ نعوذ باللہ ہم نے خُدا کو روس سے نکال دیا ہے۔ (یہ الگ بات ہے کہ پھر خدا نے ان کے ساتھ کیا کیا)۔

اسی طرح Nietzsche (نطشے) کے نظریات کے اثرات بھی انسانی تاریخ کا سیاہ باب ہیں۔ یہاں اس کی کتاب سے چند اقتباسات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے:

..The world in which we believe and live in, is the surest and firmest thing that we can get our eyes on....and the one you can't see is not to be believed.

ترجمہ: ''جس دنیا پر ہم یقین رکھتے ہیں اور جس میں ہم رہتے ہیں یہی ایک یقینی اور محکم چیز ہے جسے نہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور جو دکھائی نہ دے وہ یقین سے ماورا ہے۔''

حواسِ خمسہ سے محسوس اور ثابت نہ ہونے والی حقیقتوں کو ماننے سے انکار کیا گیا۔ اسلام اور دوسرے الہامی مذاہب کی بنیاد کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کی گئی۔ فرشتے بھی نظر نہیں آتے، جنت اور دوزخ بھی نظر نہیں آتی۔ آخرت بھی نظر نہیں آتی۔ اللہ بھی نظر نہیں آتا۔ Nietzsche کے نزدیک اس پر یقین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ مذہب کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

"Religion has exerted cruelty through demanding sacrifice according to ladder with different rungs of cruelty....."

ترجمہ: "مذہب انسان سے قربانی مانگتا ہے اور اس نے ظلم کو جنم دیا جس کے زینے کے ہر قدم پر ظلم کی ایک نئی جہت ملتی ہے"۔

مذہب سے نفرت پیدا کی گئی اور اسے اس طرح سے پیش کیا گیا جیسے یہ کوئی ظالمانہ نظام ہے جس کے زینے کے ایک ایک قدم پر آپ چڑھتے جائیں تو قربانی مانگتا ہے اور ظلم کرتا ہے۔ اس نظریہ کی بنیاد پر صرف محسوسات کے ذریعے ثابت ہونے والی سائنسی حقیقتوں کو evidence کے طور پر تسلیم کیا جانے لگا۔ پورے کے پورے Revealed Knowledge کو انسانی زندگی میں سے نکال دیا گیا اس لئے کہ ہم محسوسات کے ذریعے اس کا ثبوت فراہم نہیں کر سکتے۔ آج معاشرے کی حالتِ زار میں ان نظریات کا بہت بڑا حصہ ہے۔

اب The protocol 2 کے ان الفاظ پر بھی غور کیجیے:

The intellectuals of Goyim will puff themselves up with their knowledge and without any logical verification

ترجمہ: "غیر یہودی دانشور ان معلومات سے لیس ہو کر بغیر کسی منطقی تصدیق کے ان معلومات کو روبہ عمل لانے کی کوشش کرینگے" آج حالت یہ ہے کہ اگر کوئی انٹرنیٹ پر کسی موضوع پر معلومات حاصل کرنا چاہے تو متعلقہ موضوع پر، کم از کم دو چار لاکھ ویب سائٹس تو اسے مل ہی جائیں گی۔ لیکن ان معلومات کی چھان بین کرنا کہ اس میں کیا علم نافع ہے اور کیا غیر نافع ایک انتہائی مشکل مرحلہ ہوگا۔ عملاً اس کی تمیز ختم ہو گئی ہے۔

اس بات کو بھی علّامہ اقبالؒ نے بہت خوبصورتی سے بیان فرمایا ہے:

پر ہے افکار سے ان مدرسہ والوں کا ضمیر خوب ناخوب کی اس دور میں ہے کس کو تمیز

اسلام کی مخالفت جب براہِ راست دوسرے مذاہب کی طرف سے ہو تو مسلمانوں میں اس کا ایک فطری اور فوری ردِّ عمل پیدا ہوتا ہے اور اس کا جواب دلیل کی قوّت سے دینا مسلمانوں کے لیے آسان ہوتا ہے۔ کمزور سے کمزور ایمان رکھنے والا مسلمان بھی اسلام پر دوسرے مذاہب کے ان حملوں سے نہ صرف یہ کہ متأثر نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات یہ اس کے ایمان کی مضبوطی کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے۔ عیّار دشمن نے شاید اسی بات کو سمجھتے ہوئے اسلام پر براہِ راست مذہب کے نام پر حملے کرنے کی بجائے دو ایسے بنیادی طریقے اپنائے کہ مسلمان اسلام و ایمان کے بنیادی عقائد سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اور انہیں اس کا احساس بھی نہ ہو پائے۔

اوّل:

مذہب کی بجائے فلسفے کے نام پر بنیادی اسلامی عقائد پہ ضربِ کاری لگائی جائے۔ اور ان فلسفوں اور نظریوں کو نظامِ تعلیم کا حصہ بنایا جائے۔ اس کی چند مثالیں ماضی قریب کے فلسفے ہیں۔ اوپر بیان کیے گئے ڈارون کے نظریہ ارتقاء اور دوسرے فلسفوں کے نتیجے میں اسلام کے بنیادی عقائد پر لگنے والی کاری ضرب کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ بظاہر تو انہیں سائنسی نظریوں کے طور پہ پیش کیا گیا ہے اور یہ آج بھی مسلمان ملکوں کے سکولوں اور کالجوں میں پڑھائے جا رہے ہیں لیکن اس کا نتیجہ آج ہم مسلمان معاشروں میں دہریوں یا متشکّکین کی بڑھتی ہوئی تعداد کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔ ایسے ہی نظام تعلیم کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

دوم جدیدیت اور تہذیب کے نام پر شعائر اسلامی کو ختم کرنے کی سازش :

جب معاشرے اور تہذیب سے اسلامی شعائر کا خاتمہ ہو جائے تو مسلمان عملاً اسلام اور رفتہ رفتہ ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور اپنے اقدار کو چھوڑ کر غیروں کے اقدار اپنانے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔۔ اس کے بارے میں بھی اقبالؒ نے کیا خوب بات کہی؛

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

آیئے اب لارڈ میکالے کے مشہور نظریہ کا جائزہ لیں۔ ان کے اپنے الفاظ درج ذیل ہیں:

I have travelled across the length and breadth of India and I have not seen one person who is a beggar, who is a thief, such wealth I have seen in this country, such high moral values, people of such caliber, that I do not think we would ever conquer this country, spiritual and cultural unless we break the very back-bone of this heritage, and, therefore, I propose that we replace her old and ancient education system, her culture, for if the Indians think that all that is foreign and English is good and greater than their own, they will lose their self-esteem, their native culture and they will become what we want them, a truly dominated nation[6].

ترجمہ: ''میں نے ہندوستان کے طول و عرض کا سفر کیا مگر وہاں مجھے کوئی فقیر نظر نہیں آیا، نہ ہی کوئی چور۔ میں نے اُس ملک میں دولت کی ریل پیل دیکھی، اخلاقیات کے اعلیٰ معیار پائے، اُس پائے کے لوگ وہاں رہتے ہیں کہ میرے خیال میں ہم ان پر فتح حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم اس قوم کے مرکزی ستون کو نہ ختم کر دیں جو کہ ان کا روحانی اور ثقافتی ورثہ ہے اور اسی بنا پر میں تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہمیں ان کے قدیم اور ترقی یافتہ عظیم ورثہ، نظامِ تعلیم اور ثقافت کو تبدیل کرنا ہوگا۔ تاکہ اگر ہندوستانیوں کی یہ سوچ بن جائے کہ جو کچھ اچھا ہے وہ صرف بیرون ملک میں ہے اور انگریزی ان کی اپنی زبان سے زیادہ عظیم اور اچھی زبان ہے تو اس کے نتیجہ میں یہ لوگ اپنا وقار، اپنی قومی ثقافت کھو دیں گے اور یہ اس شکل میں ڈھل جائیں گے جس میں ہم انہیں ڈالنا چاہتے ہیں۔ ایک حقیقی مغلوب قوم کی شکل میں'' لارڈ میکالے نے

[6] Lord McCauley speech to British parliament - 1835

یہ بات ۱۸۳۵ میں کہی جب ہندوستان کا تعلیمی نظام انتہائی مضبوط تھا اور اس وقت سکول و مدرسہ ایک تھے اور اسی وجہ سے اُس نے اس بات کو محسوس کیا کہ ''جب تک اس نظام کو نہیں توڑا جائے گا اس وقت تک اس قوم پر حکومت کرنا ناممکن ہوگا'' اور اس کے ساتھ ہی انگریزی کو ''فخر'' کا ذریعہ بنانے اور تمام قومی زبانوں کے مقابلے میں ترجیحی سلوک کرنے پر زور دیا۔ (اس کا تسلسل آج بھی جاری ہے اور ۳۰ اپریل ۲۰۱۴ کو پاکستان کے وزیر اعظم نے حکومت برطانیہ سے دس لاکھ اساتذہ کو انگریزی زبان کی ٹریننگ کا معاہدہ کیا ہے[7])

اور پھر اسی نظریہ کی بناد پر باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت، درجہ بدرجہ عمل کرتے ہوئے مدرسہ اور سکول کو الگ الگ کیا گیا۔ تعلیم یافتہ ہونے کی نئے سرے سے تعریف کی گئی۔ صرف وہ لوگ ''پڑھے لکھے'' ٹھہرے جو سرکاری سکولوں میں پڑھے ہوں اور وہ لوگ جو مدرسوں میں پڑھتے اور وہاں سے فارغ ہوتے ان کو ''ان پڑھ'' قرار دیا گیا چاہے ان میں کوئی امام رازیؒ۔ شاہ ولی اللہؒ یا امام غزالیؒ کے پائے کا ہی کیوں نہ ہو۔ حکومتی عہدوں اور سرکاری نوکریوں میں مدرسے سے فارغ التحصیل طلباء کے مقابلے میں ان لوگوں کو ترجیح دی گئی جو سکولوں کے نظام تعلیم سے فارغ ہوں۔ اس کے نتیجہ میں ان اسکولوں سے فارغ شدہ افراد ہی حکومتی اداروں میں جگہ پاتے رہے اور بالاخر انہوں نے پورے حکومتی اداروں کو قبضہ کرلیا اور وہ لوگ جن کے پاس دین کا علم تھا انہیں حکومتی اداروں سے بتدریج نکال دیا گیا۔ اور اس طرح اسلام کو حکومتی ارادروں اور نظامِ حکومت سے نکال دیا گیا۔

یہ وہ وقت تھا جب دین کو نہ صرف عملی میدان سے نکالا گیا بلکہ دینی عقائد کو ختم کرنے کے لیے منظّم کوششیں کی گئیں لیکن الحمدللہ اس وقت کے علماء دین نے حالات کی

---

[7] https://www.gov.uk/government/news/pakistans-prime-minister-nawaz-sharif-visited-the-uk-this-week

نزاکت کو محسوس کیا اور جب دین کو ختم کرنے کے لئے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے جارہے تھے انہی دینی مدارس نے دین کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا۔اور انہی کی کوششوں سے ہمارا دینی ورثہ محفوظ رہااور ہم تک پہنچا۔

بہر حال لارڈ میکالے نے برطانوی پارلیمنٹ میں جو سفارشات پیش کیں اسکے نفاذ کے نتیجے میں دیندار طبقے کو عملی طور پر نظامِ حکومت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اسکے ساتھ ہی تعلیم کی دوئی نے جنم لیا۔ تعلیم کو دنیاوی اور دینی تعلیم میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور یہ قصہ وہیں ختم نہیں ہوابلکہ بدقسمتی سے آج بھی تسلسل سے یہ عمل جاری ہے۔

اب اس صدی کے اوائل کی بات کرتے ہیں جب امریکہ میں Twin Tower پر حملہ ہوا۔اس بات سے قطع نظر کہ یہ سب معاملہ کیا تھا اگر ہم یہ مان لیں کہ سب کچھ ایسے ہی ہوا جیسے بیان کیا جاتا ہے پھر بھی سوچنے کی بات ہے کہ کیا کس نے ؟ لوگ کون تھے؟ اور بجلی کہاں گری؟ان حملہ آوروں میں ایک بھی پاکستانی یا افغانی نہیں تھا لیکن ملاحظہ فرمایئے سفارشات کیا آتی ہیں؟ کئی سالوں کی تحقیقات کے بعد 9/11 کمیشن کی رپورٹ شائع ہوئی اور کتاب میں دی گئی سفارشات کو باقاعدہ ایک ایکٹ کے ذریعے نافذ کیا گیا۔ ذیل میں اس کتاب سے چند اقتباسات دیئے جاتے ہیں۔:

Recommendations of 9/11 commission :

Implementing the 9/11 Commission

Recommendations Act.of 2007.

9/11 کمیشن کی سفارشات: 9 / 11 کمیشن سفارشات ایکٹ 2007 کا اطلاق

The 9/11 Commission Report (Page 369)

Recommendations: If Musharraf stands for enlightened moderation

…. United States should ……extends from military aid to support for

better education, so long as Pakistan's leaders remain willing to make difficult choices of their own

9/11 کمیشن کی رپورٹ (صفحہ 369):

سفارشات:

اگر مشرف روشن خیالی کے لیے کھڑے ہوں تو ریاست ہائے متحدہ فوجی امداد سے لے کر تعلیمی امداد تک میں ساتھ ہو گی جب تک پاکستان کے قائدین خود سے ایسے مشکل فیصلے کرنے کے لئے تیار ہوں۔

(ظاہر ہے ان کے مطابق "مشکل فیصلے" سے مراد وہ فیصلے ہیں جو اپنی اقدار کو چھوڑ کر مغربی اقدار اپنانے کے لیے کیے جائیں اور اپنی تہذیب اور اقدار کو ان کی تہذیب میں رنگ لیا جائے)

The 9/11 Commission Report (Page 377)

The United States should rebuilt the scholarship, exchange, and library programs that reach out to young people and offer them knowledge and hope. Where such assistance is provided, it should be identified as coming from the citizens of the United States.

9/11 کمیشن کی رپورٹ (صفحہ ۳۷۷):

ریاست ہائے متحدہ دوبارہ وظیفہ جات، باہمی تبادلوں (جوانوں اور طالب علموں کے لئے) اور لائبریری منصوبوں کے تحت جوان نسل تک رسائی کے پروگرام شروع کرے اور انہیں علم کی پیشکش کرے اور اُمید دلائے۔ جہاں کہیں ایسی امداد دی جائیگی وہاں یہ بات بیان کی جائے گی کہ یہ امداد انہیں ریاست ہائے متحدہ کے شہریوں کی طرف سے دی جارہی ہے۔

The 9/11 Commission Report (Page 378)

Recommendation: The US Govt. should offer to join with nations and generously supporting a new International Youth Opportunity Fund.

Funds will be spent directly for building and operating primary and secondary schools in those Muslim States that commit to sensibly investing their own money in public education.

9/11 کمیشن کی رپورٹ (صفحہ ۳۷۸):

سفارشات: یو ایس گورنمنٹ مختلف قوموں کے ساتھ مل کر انہیں فراخدلی کے ساتھ ''بین الاقوامی بہبودِ نوجوانانِ فنڈ'' کے نام سے ایک نیا فنڈ بنانے میں امداد فراہم کرے گی۔ اور یہ امداد پرائمری اور سیکنڈری سکولوں کی تعمیر اور اس کا نظام چلانے میں ان مسلم ملکوں میں بلا واسطہ صرف کی جائے گی جو خود اپنا سرمایہ ''فراست'' کے ساتھ عوامی تعلیم کے منصوبوں میں لگا رہے ہیں۔

(اور یہ تو واضح ہے کہ انکی نظر میں فراست وہی ہے جس سے ان کے مطلوبہ مقاصد حاصل ہو جائیں)

غور کیجیے کہ Twin Tower کے حادثے کی سفارشات یہ آتی ہیں کہ ہمیں مسلمان ممالک میں پرائمری اور سیکنڈری سکول بنانے چاہیے ۔ اور یہ کام حکومت کی بجائے این۔جی۔اوز کے ذریعے خود کیا جائے۔ امریکہ اور مغربی ممالک مل کر آج ان سفارشات پر پوری قوّت سے عمل کر رہے ہیں اور ایک ایسے نظامِ تعلیم کی نفاذ کی کوشش ہو رہی ہے جو مشرف جیسے شخص کی روشن خیالی (بالفاظ دیگر بے حیائی اور لادینیت) پر مبنی ہو ۔

اس کے ساتھ ساتھ وظائف، لائبریریز پروگراموں اور امریکی اسکولوں اور کالجوں میں پاکستانی طلباء کے لیے تبادلوں کے پروگراموں پر عمل کرکے نوجوانوں کے ذہنوں کو بدلا جارہا ہے۔ بنیادی طور پر ہدف نوجوان طبقہ ہے تاکہ آئندہ آنے والی نسل کی سوچ مغرب ہی کی تہذیبی اور تعلیمی معیارات اور روایات کے مطابق ہو اور اس تعلیمی نظام کے ذریعے ایسے افراد تیار ہوں جو اپنی شناخت کھو کر ان آقاؤں کی غیر موجودگی میں ان کے موجودہ آلۂ کاروں سے بھی ''بہتر'' طریقے سے اس ملک کا نظام انکی مرضی کے مطابق چلائیں۔ ایسے سکولوں اور نظام تعلیم سے فارغ لوگ تو وہی ہوں گے جن کے بارے میں اقبالؒ نے کہا تھا کہ

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے تیرا　　کہاں سے آئے صدا لا الہ اِلا اللہ

اس نظام تعلیم کے ذریعے ہماری نسل کو جس طرح تباہ کر دیا گیا ہے اس کا عملی نتیجہ ہم معاشرے میں اپنے اقدار کی پامالی ، اخلاق کے تیزی سے گرتے ہوئے معیار، انتہا کی مادہ پرستی اور نفسا نفسی کی صورت میں پہلے ہی بھگت اور دیکھ رہے ہیں۔

غیر ملکی تنظیموں اور اداروں نے اپنی اس پالیسی کو ہمہ وقت موثر رکھنے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے NGOs کے رول کو اہم بنا دیا ہے۔ حکومتی اداروں کو عملاً کمزور کر دیا گیا ہے بلکہ ان کو انہی NGOs کے فنڈز کا کاسہ لیس بنا دیا گیا ہے۔ دوسری طرف ہمارے ملک کے تعلیمی بجٹ کی حالت یہ ہے کہ اس کے لیے مختص رقم جی ڈی پی کے دو اعشاریہ چھ فیصد سے گرتے گرتے ۲۰۱۲ء میں جی ڈی پی کے دو اعشاریہ ایک فیصد پر آ گئی۔ اس میں بھی زیادہ تو انتظامی اخراجات، تنخواہوں اور کئی دوسری مدّات میں صرف ہو جاتا ہے اور حقیقی تعلیمی ترقی کے لیے بہت ہی کم باقی بچتا ہے۔

NGOs بھاری تنخواہیں اور مراعات دے کر حکومتی افسران کو اپنا ہمنوا بناتی ہیں اور پھر ایک منظّم اور مربوط طریقے سے ان کے ذریعے نظام تعلیم کو تبدیل کیا جاتا ہے۔ کتابوں میں سے وہ تمام اسباق اور مواد عملاً نکالنے کی سعی ہو رہی ہے جو کسی بھی صورت دینی تشخص، پاکستانیت اور اخلاقی اقدار کو پروان چڑھاتی ہیں۔ پرائمری اور سیکنڈری سکولوں میں پڑھائی جانے والی کتابوں میں آپ اس کا عملی مظاہرہ دیکھ سکتے ہیں۔

پاکستان اور افغانستان کے تعلیمی نظام پر 9/11 کے بعد بنائی گئی پالیسی کے اثرات کیسے مرتّب ہو رہے ہیں؟ اس کا ایک مختصر جائزہ لیتے ہوئے ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ ان سفارشات پر کیسے عملدرآمد ہو رہا ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ بچوں کی ذہنی تبدیلی (indoctrination) کے لیے صرف نصاب کی تبدیلی پہ اکتفا نہیں کیا جا رہا بلکہ استاد کے ذہن کو بدلنے کا بھی کما حقہٗ بندوبست کیا جا رہا ہے۔

افغانستان کی صورت حال کا اندازہ تو ماضی قریب میں ان کے ایک وزیر کے بیان سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ یہ بیان[8] انہوں نے ۲۰۱۲ء میں اس وقت دیا جب کسی تنازعے کہ وجہ سے پاکستان نے امریکی کنٹینرز کی افغانستان تک رسائی پر پابندی عائد کی تھی۔ اس وقت پاکستانی اخبارات میں شائع شدہ اس بیان کے مطابق افغانستان جانے والے کنٹینرز پر پابندی کی وجہ سے پورٹ قاسم کراچی میں ۴۵ لاکھ کتب پھنس کر رہ گئی تھیں جو افغانستان نہیں بھجوائی جا سکیں۔ یہ کتابیں افغانستان میں پرائمری اور سیکنڈری سکولوں میں پڑھانے کے لیے بھیجی گئیں تھیں اور یہ ان ۷۰ لاکھ کتابوں میں سے پہلی قسط تھی جو USAID نے دبئی میں افغانستان کے ان سکولوں کے لیے چھپوائی تھیں اور پاکستان کے راستے افغانستان بھیجی گئیں تھیں۔ بیان میں استدعا کی گئی تھی ان کتابوں کو جلد از جلد release کیا جائے تاکہ بچّوں کا تعلیمی سال ضائع نہ ہو۔

اسی ایک خبر سے اس بات کا اچھی طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عالمی اداروں کی افغانستان کے تعلیمی نظام میں کتنی دلچسپی ہے اور اس کو اپنی مرضی کے مطابق بدلنے کے لیے کیا عملی اقدامات کیے جا رہے ہیں۔

پاکستان میں بھی تعلیم کے ذریعے جس طرح بچّوں کی ذہنی تبدیلی (indoctrination) کی کوشش کی جا رہی ہے وہ صورتِ حال بھی انتہائی تشویشناک ہے۔

۲۰۰۳ء میں Sustainable Development Policy Institute نامی ایک پاکستانی NGO نے ایک رپورٹ شائع کی[9] جس کا عنوان تھا The Subtle Subversion -The State of Curricula and Textbooks in Pakistan

اس رپورٹ میں سکولوں اور کالجوں کی سطح پر پڑھائی جانے والی مختلف کلاسوں کی درسی کتب میں اُس تمام اسلامی، دینی، تاریخی اور پاکستانی تشخّص کے حوالے سے موجود مواد کی نشان دہی کی گئی اور ساتھ ہی عصرِ حاضر کی ضروریات اور عالمی تناظر کے پردے میں درسی

---

[8] روزنامہ مشرق پشاور ۲۳ جولائی ۲۰۱۲ء

[9] http://www.sdpi.org/publications/publication_details-286-34.html

کتب میں موجود اس مواد کو عصبیّت اور تنگ نظری کا نام دے کر اس کو تبدیل کرنے، کتابوں کو از سر نو لکھنے اور تعلیمی اصلاحات کے نام پر حکومتی تعلیمی ڈھانچے کو بدلنے کی سفارشات مرتّب کی گئیں۔ ان سفارشات کی روشنی میں پرائیویٹ سیکٹر کی معاونت سے درسی کتب کی دوبارہ تدوین شروع ہوئی جو آج بھی جاری ہے۔ آئندہ صفحات میں موجودہ صورتحال کے ساتھ ہم ان تبدیلیوں کا مختصر جائزہ بھی لیں گے۔

درسی کتب میں تبدیلیاں:

صوبہ خیبر پختونخواہ کے ٹیکسٹ بکس کی مالی معاونت اس وقت GIZ نامی ایک جرمن ایجنسی کرتی ہے اور حکومت کو کتب کی تیاری اور اس کی پرنٹنگ کی مد میں رقم فراہم کرتی ہے۔ اور اسی بہانے درسی کتابوں میں اپنی مرضی کا مواد شامل کرکے ان مقاصد کی تکمیل میں مدد و معاون ہوتی ہے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے

حکومتِ صوبہ پختونخواہ کے ۲۰۱۲ کے تعلیمی جائزے کے مطابق مختلف این جی اوز کی جانب سے اس صوبے کے لیے چھپّن ارب (۵۶۰۳۱ ملین) روپے سے زیادہ رقم مختص کی گئی ہے[10] اس میں یو ایس ایڈ کی رقم شامل نہیں ہے۔ اور یاد رہے کہ اس وقت یو ایس ایڈ پاکستان کا سب سے بڑا اڈونر ہے۔ عالمی بینک کی ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت مختلف ممالک سے ۴۵ ارب ڈالر پاکستان آرہے ہیں اور اس میں امریکہ کا حصّہ ۳۰ فیصد ہے[11]

صوبہ خیبر پختونخواہ کے نصابِ تعلیم میں دور رس منفی تبدیلیاں کی گئیں تھیں ذیل میں دی گئی چند مثالیں ہی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں۔

نویں کلاس کی انگلش کی کتاب میں تین اسباق تھے:

---

[10] Education Sector Plan April, 2012 Department of Elementary and Secondary Education Government of Khyber Pakhtunkhwa

[11] http://www.worldbank.org/en/country/pakistan/projects

1.The voice of God 2.The Holy Prophet ﷺ 3.Hazrat Umar ؓ

ان کو درج ذیل سے تبدیل کیا گیا:

1.I know a man who was a giant (ایک امریکی لوہار کی کہانی ہے)

2. Helen Keller as a role model 3. Quid-e-Azam

(خوش قسمتی سے عوامی دباؤ کے تحت نئی کتاب میں اب یہ تبدیلی ختم کر دی گئی ہے)۔

ایک اور مثال ۲۰۱۴ کے سالِ چہارم اور پنجم کے معاشرتی علوم کی ملاحظہ کریں[12]

معاشرتی علوم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جماعت چہارم

نمبر شمار	پرانی کتاب	نئی کتاب
۱	صفحہ نمبر ا پر پاکستان کا نقشہ مکمل دیا گیا تھا۔	صفحہ نمبر ۶ پر پاکستان کا نقشہ کشمیر کے بغیر، صفحہ نمبر ۱۹ پر کشمیر کو پاکستان کی بجائے بھارت کا حصہ دکھایا گیا ہے اور صفحہ نمبر ۲۴ پر کشمیر نقشے سے غائب ہے۔
۲	صفحات ۷۲ تا ۹۰ پر مشاہیر اسلام اور مشاہیر پاکستان درج ہیں جیسا کہ حضرت محمد ﷺ ، حضرات ابوبکر، عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضٰی رضی اللہ عنھم، سید احمد شہید بریلوی، حضرت پیر بابا، ملک خدا بخش شامل ہیں۔	صفحات ۳۶ تا ۴۰ پر صرف خیبر پختونخوا کے مذہبی اور ادبی خدمات سرانجام دینے والے علماء اور شعراء کے نام ہیں، جبکہ صرف صوبے سے تعلق رکھنے والی درج ذیل سیاسی شخصیات پر نوٹ دیئے گئے ہیں اور ساتھ ہی ان کی تصاویر ہیں جیسا کہ : خوشحال خان خٹک، حاجی صاحب ترنگزئی،

[12] شعبہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ خیبر پختونخوا نصابی جائزہ ۔معاشرتی علوم درسی کتب ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور ۲۰۰۶ کے Curriculum کے نتیجے میں

		خان عبدالغفار خان، صاحبزادہ عبدالقیوم خان، سردار عبدالرب نشتر، مولانا مفتی محمود، اور محمد جلال خان۔

معاشرتی علوم کلاس پنجم

ا	سرورق پر قائد اعظمؒ کی تصویر	قائد کی تصویر ہٹادی گئی ہے
۲	پہلے سبق میں مسلمانوں اور ہندووں کی تہذیب میں فرق، آزاد مملکت کے قیام کی ضرورت ، اہم مسلم شخصیات، نظریہ پاکستان اور پاکستان کے خلاف بھارت کے برے ارادے جیسے عنوانات درج تھے جو بڑی وضاحت اور یکسوئی سے تاریخ پاکستان اور بعد کے واقعات پر روشنی ڈالتے تھے۔ ان مضامین سے طلبہ اور معلم دونوں کو تحریک پاکستان پر تسلی بخش مواد مل جاتا تھا۔	صفحہ نمبر ۴۶ پر ان عنوانات کو توڑ مروڑ کر، غیر واضح انداز میں اور طلبہ و معلم کی سوچ کو گمراہ کرنے کے انداز میں پیش کیا گیا ہے جس سے تحریک پاکستان اور کشمیر کا مسئلہ متنازعہ بنا دیا گیا ہے، جو ایک قومی جرم کے مترادف ہے۔ کچھ غیر مسلم شخصیات کو بھی اب شامل کر دیا گیا ہے۔ مسئلہ کشمیر کو صفحہ نمبر ۶۶ پر جرمنی کی تقسیم اور جاپان پر ایٹم بم گرائے جانے والے واقعات کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے جو تاریخی حقیقت کے خلاف ہے۔ صفحہ نمبر ۶۹ پر پیغمبر اسلام ﷺ پر نوٹ کے علاوہ اشتراکیت، ہٹلر، مسولینی، ہندومت اور بدھ مت کا بھی عالمی تاریخ پر اثر انداز ہونے کا ذکر کر کے جماعت پنجم کے طلبہ کو اس کم عمری میں اسلام کی حقانیّت کی بجائے نظری بکھیڑوں میں الجھانے کی کاشش کی گئی ہے۔

۳	حضرت خدیجہؓ، حضرت فاطمہؓ، امام حسینؓ، شاہ ولی اللہؒ، سر سید احمد خان، علامہ اقبال اور قائداعظم پر نوٹس	پرانی کتاب کی تمام شخصیات کو حذف کرکے ان کی جگہ مارکوپولو، ابن بطوطہ، واسکوڈے گاما، نیل آرم سٹرانگ پر نوٹس شامل کردیے گئے ہیں جو کہ ایک دینی اور قومی جرم ہے۔

ہماری جغرافیائی شناخت کو متنازع بنانے کے لیے مطالعہ پاکستان اور دیگر کتابوں کے تقریباً سارے نقشوں میں جموں اور کشمیر کو ہندوستان کا حصہ دکھایا گیا۔ اس طرح بچوں کے ذہنوں میں شروع سے یہ بات ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں ہے۔

اسی طرح سائنس کی کتابوں سے وہ مواد نکالا جارہا ہے جس سے اسلام اور پاکستان کی شناخت میں مدد مل سکے۔ بیالوجی کی موجودہ اور پرانی کتاب کا موازنہ ملاحظہ فرمایئے:

S.No	Class 9th Old book	Class 9th New book
01	1. Page 9. Muslims Era: Biography of **8 Muslims scientists** is given. 2. Names of **three Pakistani Scientists** are included.	1. Number of Muslims scientists is reduced from 8 to **3 only.** 2. There is **no mention of any Pakistani scientist.**
02	**1.** Page 13. **Appearance of life on earth, the creation of living organisms and human beings: an explanation based on Quranic perspective is given.** This is supported by 18 Ayat of the Holy Quran	**1.** Page 9.**Quranic perspective of the creation of living organisms and the human beings is deleted.** **2. Quranic Ayat about creation are reduced from 18 to 5 only.**

بچوں کی ایک کتاب (READER) میں ایک سوال ہے کہ تحریک پاکستان کے سب سے عظیم رہنما کون تھے؟ اور اس کا جواب ہے۔ سر آغا خان ۔ ایک اور سبق ''رسول اللہ ﷺ کا کنبہ'' میں حضرت عائشہ اور دوسری امہات المؤمنین کا ذکر تک نہیں کیا گیا اور صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ اور امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم کو رسول ﷺ کا خاندان کہہ کر بچوں کے ذہن میں فرقہ واریت کا زہر گھولنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

بچّوں کی ذہنی indoctrination کی یہ چند مثالیں ہیں جس کا شکار ہماری نئی نسل ہے اور ایک منّظم منصوبے کے مطابق طلباء کے ذہنوں سے دینِ اسلام اور پاکستانیت کی چھاپ کو ختم کیا جارہا ہے۔

اس بات کا اندازہ ایک عام آدمی بھی کر سکتا ہے کہ جب بچے اس نظام تعلیم سے پڑھ کر فارغ ہوں گے تو ان کے ذہن میں اسلام اور پاکستان کا کیا نقشہ بن چکا ہو گا۔

اساتذہ کی تربیت:

نصاب کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ، امریکہ اور دوسرے مغربی اداروں کا ہدف اب خصوصی طور پر استاد بھی ہے کیونکہ سکول میں استاد ہی کا کردار کلیدی ہوتا ہے۔ اس وقت ۲۳ یونیورسٹیز اور ۷۹ کالجز میں تقریباً ۶۰۰۰ ہزار اساتذہ کو تربیت دی جارہی ہے تاکہ وہ ان متعیّن شدہ اہداف کو حاصل کرنے اور طلباء کے ذہنوں کو بدلنے میں میں مددگار ثابت ہوں۔ خیبر پختونخواہ میں بائیس ہزار پرائیویٹ سکول ٹیچرز کو Norwegian Agency اور GIZ تربیت دے رہی ہیں۔ اسی طرح DFID اور USAID سندھ اور پنجاب میں انہی مقاصد کو حاصل کرنے کی ذمہ داری لیے ہوئے ہیں۔ NGOs میں علاقوں کی یہ تقسیم ایک منظّم طریقے سے کی گئی ہے۔ ان ایجنسیوں کے مطابق اب تک ۲۲ ہزار سکول اساتذہ کی تربیت (ٹریننگ) مکمل ہو چکی ہے اور ۳۱۰۰ پرنسپل صاحبان بھی تعلیم کے مختلف ایریاز میں ٹریننگ مکمل کر چکے ہیں۔ ہزارہ یونیورسٹی، پشاور یونیورسٹی اور گومل یونیورسٹی میں USAID کے تعاون سے اساتذہ کی تعلیمی تربیت کا ایک پروگرام شروع کیا گیا (جس کا ۲۰۱۲ کے Fall semester کا اشتہار ان یونیورسٹیوں اور USAID نے مشترکہ طور پہ پاکستانی اخبارات میں دیا تھا)۔ اس پروگرام کے تحت یو ایس ایڈ نہ صرف اساتذہ کی ٹریننگ کے ان اداروں کی عمارتوں کی تزئین نو کے لئے رقم فراہم کرتا ہے بلکہ ٹیچرز ٹریننگ کے جملہ اخراجات بھی ادا کرتا ہے اور تربیتی نصاب بھی انہی کے تعاون سے ترتیب دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ غیر ملکی ادارے ہمارے تعلیمی نظام اور اساتذہ کے تربیتی اداروں میں سرمایہ کاری کرکے اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل کرتے ہیں۔

اساتذہ کو جیسی تربیت دی جاتی ہے وہ اسی کے مطابق اپنے طالب علموں کی تربیت بھی کرتے ہیں۔ ایسے ہی ایک منصوبہ کے تحت پرائمری کے اساتذہ کو خاص طور پہ Focus کیا گیا ہے تاکہ وہ آگے جاکر بچوں کے معصوم ذہنوں میں مطلوبہ نظریات کی آبیاری کر سکیں۔ اور یہ پروگرام امریکہ اور یورپی ممالک نے ملکر ترتیب دیا ہے۔

یہاں اٹھارویں ترمیم کا ذکر کرنا بھی مناسب ہو گا۔ اس ترمیم کے بعد کچھ لوگ بہت خوش تھے کہ اب صوبوں کو اپنے وسائل پر زیادہ اختیار مل گیا۔ مگر اس کا ہمارے نظام تعلیم پر یہ اثر ہوا کہ پاکستان کے صوبوں میں علاقائی جماعتوں کی حکومتوں نے تعلیمی نظام کا اختیار حاصل کرتے ہی پاکستانی اور اسلامی قومیت کی بجائے علاقائی (پختون، پنجابی، سندھی اور بلوچی وغیرہ) قومیتوں کو اجاگر کرنا شروع کیا۔ ہر صوبے نے اپنی اپنی بولی بولنا شروع کی اور ہر صوبے نے اپنے نظام تعلیم کو اپنی صوابدید کے مطابق بدلنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ پاکستانی اور قومی سوچ اور شناخت پر کاری ضرب لگائی گئی۔ سکولوں کے نصاب میں تو خصوصاً دور رس منفی تبدیلیاں کی گئیں کیونکہ اس عمر میں بچوں کے ذہن پہ اثر انداز ہونا اور اس کو بدلنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ اس ترمیم سے ایک مقصد یہ بھی حاصل ہو گیا کہ سکولوں کی سطح کی تعلیم کو بدلنا آسان ہو گیا اور اس طرح صوبائی تعلیمی نظام میں بیرونی ممالک کی رسائی بھی پہلے کی نسبت زیادہ آسان ہو گئی۔

International Crisis Group کی جون ۲۰۱۴ میں شائع شدہ رپورٹ میں اس بات کو سراہا گیا ہے کہ اٹھارویں ترمیم سے اب نصاب کی تبدیلی کا کام آسان ہو گیا ہے اور ساتھ ہی تاریخ، سائنس اور دوسرے مضامین میں اسلامی معلومات کو زبردست تنقید کا نشانہ بھی بنایا گیا ہے[13]۔

[13] International Crisis Group Report June 2014 – Education Reforms in Pakistan

یہ ہے تصویر کا وہ رخ جس میں ان طاقتوں کا وہ لائحہ عمل دکھائی دیتا ہے جس میں نظامِ تعلیم کے ذریعے نئی نسل کی تباہی اور ان کے ذہنوں کو بدلنے کا اہتمام کیا گیا ہے اور ڈگریاں لینے کے بعد انہی کے ذریعے ملک کے نظام حکومت کو اپنی مرضی کے مطابق بدلنے کا پورا بندوبست کیا گیا ہے۔

آج ان ساری کوششوں کے نتیجے میں اس ملک میں ایک قلیل مگر موثر طبقہ وجود میں آ گیا ہے جو نہ صرف اس ملک کی پالیسیاں تشکیل دیتا ہے بلکہ عملاً اس کے سیاہ و سپید کا مالک ہے اور ان کے فکری اور تہذیبی اساس کی بنیاد مغربی تعلیم ہے جسے انہوں نے اس کی پوری خرابیوں اور اسلام سے متصادم نظریات کے باوجود قبول کر لیا ہے۔ اور یہ قلیل گروہ ہر سطح پر معاشرے کے عمومی مزاج سے برسرپیکار نظر آتا ہے۔ مگر اس طبقہ کے اندر بھی اور عوام الناس کی ایک بہت بڑی اکثریت بھی اسلام سے نہ صرف ایک جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں بلکہ اسلام کے عقائد، اخلاقی اقدار اور اصولوں پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اس دوئی (dicotomy) کی صورت حال نے ایک ذہنی اور فکری کشمکش کو جنم دیا ہے جو معاشرے میں ٹکراؤ اور عمومی بے چینی کا سبب بن گیا ہے۔ مغرب کا نظام تعلیم ان کے فکری اور معاشرتی اقدار سے ہم آہنگ ہے اور اسی لیے وہاں آپ کو ٹکراؤ کی وہ صورت حال نظر نہیں آئے گی جو بدقسمتی سے اکثر مسلمان ملکوں کا خاصہ بن گیا ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ:

تصویر کا دوسرا رخ بھی قابل غور ہے۔ ہر قوم اپنے مقاصد اور نظریات کے حصول لئے کام کرتی ہے۔ یہ بات تو یقناً اہم ہے کہ ہر کوئی دوسروں کی پلاننگ کو سمجھے اور اپنے لائحہ عمل میں اُن کی اچھی باتوں کو لینے اور بری باتوں سے احتراز کا بندوبست کرے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی اشد ضروری ہے کہ وہ اپنے مقاصد اور اہداف اپنے معیارات اور مفادات کے

مطابق ترتیب دے۔ صرف دوسروں پر تنقید سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اصل بات تو خود تعمیری اور مثبت کام کرنا ہے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ بغیر کسی پلاننگ کے اور بلا سوچے سمجھے صرف ڈنڈے اور کلاشنکوف سے نظام بدلنے کی کوشش کرتے ہیں جو کسی دیرپا تبدیلی کا باعث تو کیا بنے گا الٹا مزید انتشار کا باعث بن رہا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس طرح کا طرزِ عمل اصل مقصد کے حصول کی راہ میں رُکاوٹ بن گیا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے شاید یہی دیکھ کر کہا تھا کہ:

مشرقی تو سرِ دشمن کو کچل دیتے ہیں　　مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

اور افسوس اس بات کا بھی ہے کہ مسلمان قوم کے پڑھے لکھے افراد کو یا تو اس صورتِ حال کی خبر ہی نہیں یا اس کی اہمیت کا احساس ہی نہیں رکھتے۔ ہماری حالت تو یہ ہو گئی کہ

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا　　کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا (اقبالؒ)

بلکہ ہم تو شاید اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ گئے ہیں کیونکہ بسا اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی اس اہم مسئلے کو اٹھائے یا ان اہم حقیقتوں کی نشاندہی کرے تو لوگ اس کو نہ صرف غیر سنجیدگی سے لیتے ہیں بلکہ اس کا مذاق اڑانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ مگر جب ان ہی کے بچّے ان کی توقعات کے خلاف حرکتیں کرتے ہیں تو پھر یہی لوگ نظام اور معاشرے سے گلے شکوے بھی کرتے ہیں کہ ان کے بچے بگڑ رہے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ اس بگاڑ کا ذمہ دار کون ہے؟

نظام کی تبدیلی میں سب سے اہم کردار استاد ہی کا ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی ذمہ داری کما حقہ پوری کر لے تو دور رس نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

استاد کی ذمہ داری:

بحثیت مسلمان واستاد کو نہ صرف اس پوری صورت حال کو اچھی طرح سمجھنا ہے کہ یہ نظامِ تعلیم ہی ہماری بربادی کا اصل سبب ہے بلکہ اس کے اصلاح کے لئے ہر ایک نے اپنا اپنا کردار بھی ادا کرنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث "**کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیتیہ**" کا مفہوم ہے کہ "ہر ایک اپنے حلقۂ اثر (influence circle of) کا ذمہ دار ہے۔" ہم گھر میں اپنے بچوں اور سکول یا کالج میں اپنے طلباء کی صحیح تربیت کے ذمہ دار ہیں۔ جو کام ہمارے ذمے ہے وہ ہم نے کرنا ہے اور جو کام ہم نہیں کر سکتے اس میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا۔ لیکن جو کام ہم کر سکتے ہیں ہم نے ضرور کرنا ہے کیوں کہ ہمیں جواب اور حساب اسی کا دینا ہوگا۔

علم اور فن (knowledge and skill) دونوں تعلیم کے اہم ستون ہیں لیکن جب تک ذہن (attitude) مثبت انداز میں نہیں بدلے گا اور طالبعلم کو بحثیت انسان اور مسلمان اپنے مقام اور ذمہ داری کا صحیح ادراک نہیں ہوگا تب تک وہ معاشرہ میں مثبت تبدیلی کا ذریعہ نہیں بن سکے گا۔ نظام کے بدلنے کا انتظار کرنے کی بجائے ہمیں اپنے اپنے زیرِ اثر حلقہ میں کام کرنا چاہیے اور اگر ہم شعوری طور پر اس کو ایک قومی اور دینی ذمہ داری تسلیم کر لیں تو پھر ہر ادارے اور ماحول اپنا کام کر سکتے ہیں اور اللہ سے اجر کے امیدوار بھی بن سکتے ہیں۔

رویّوں (attitude) کو بدلنے کے لئے ہم مقدور بھر کوشش کرنے پر ہی مکلّف ہیں ۔ نتیجے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔ اس نے ہم سے اجر کا وعدہ بھی نتیجہ پر نہیں اخلاص کے ساتھ کوشش کرنے پر کیا ہے۔ لیکن اگر ہم نے کوشش ہی نہیں کی تو اس کیلئے ہمیں ضرور جواب دینا ہوگا۔ مرد، عورت، جونئیر اور سینئر سب لوگ اپنی اپنی جگہ جواب دہ ٹھہریں گے۔

تعلیم اور تربیت دونوں استاد کی ذمہ داری ہے۔بلکہ استاد کا تو بنیادی کام ہی شاگردوں کے روح کے علاج کی فکر کرنا ہے۔علامہ اقبال فرماتے ہیں :

شیخ مکتب ہے اک عمارت گر　　جس کی صنعت ہے روح انسانی

لیکن اگر استاد کو اس ذمہ داری کا احساس ہی نہ ہو تو وہ یہ کام کیسے کر سکتا ہے؟ اس لیے پہلی اہم بات ہی یہ ہے کہ استاد اپنے کام اور مقام کو سمجھ جائے اور اسے اپنی ذمہ داری کا احساس اور ادراک ہو۔ چند جماعتیں پڑھ لینے سے کوئی استاد نہیں بن سکتا۔اسے اس بات کا ادراک ہونا چاہیے کہ تعلیم کا مقصد کیا ہے؟استاد ہی تعلیمی نظام میں محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اس نظام کے ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اگر استاد کا اپنا ذہن صاف، تصورات واضح اور تربیت ٹھیک ہے تو وہ ہر حال اور ہر نظام میں اہم ، مثبت اور کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے لیکن اگر اس کا ذہن پراگندہ ، تصورات مبہم اور مقصد غیر واضح ہے تو اچھے سے اچھا نصاب اور تعلیمی نظام بھی سود مند ثابت نہیں ہوگا۔استاد کی حالت یہ نہ ہو کہ نام تو مسلمان کا ہو اور اس کا کام کسی اور کا مقصد پورا کر رہا ہو۔ بد قسمتی سے آج اساتذہ کی اکثریت کی حالت یہ ہے کہ جس کے بارے میں اقبالؒ نے کہا تھا۔

تیرا وجود سراپا تجلیِ افرنگ　　کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکر خالی خودی سے خالی ہے　　فقط نیام ہے تو زر نگاہ و بے شمشیر

آج ہمارا المیہ ہی "استاد" ہے۔اور اسی لئے اقبالؒ گلہ بھی استاد ہی سے کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

فکر معاش ایک ضرورت ہے۔ لیکن کیا معاش ہی سب کچھ ہے؟ اور کیا اسی گرداب میں پھنس کر ہم اور بہت کچھ تو نہیں گنوا رہے اور اپنے اصل کام اور مقصد سے غافل تو نہیں ہو گئے؟ ان باتوں پر ہمیں ضرور سوچنا چاہیے۔ ہمارا ایمان ہے کہ جو رزق اللہ نے ہمارے لیے مقرر کیا ہے

وہ ہم سے کوئی نہیں چھین سکتا البتہ ہم پر اس کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق اس کے لیے جدوجہد کرنا فرض ہے۔ استاد کو وقتی فوائد، گریڈ، چاپلوسی، کام چوری اور اسی طرح کی دوسری زنجیروں کو کاٹنا ہوگا کہ جب تک اس کے پاؤں میں یہ زنجیریں پڑی رہیں گی تب تک وہ ایک اعلیٰ وارفع مقصد کے طرف دلجمعی سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تیری دے کے تجھے فکر معاش

دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامان موت
فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم (اقبالؒ)

دل و دماغ آزاد ہوں گے تو انشاء اللہ ہم آگے بھی بڑھیں گے۔ اور پھر حالت یہ ہو گی کہ:

دیکھے تو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
افلاک منور ہوں تیرے نورِ نظر سے (اقبالؒ)

استاد جہاں کہیں بھی ہو اسے تعلیم و تربیت کا فرض نبھانا ہے۔ بچوں کی پریشان نظری کے لیے کسی "دارو" کا بندوبست استاد ہی نے کرنا ہوگا کسی اور نے آکر یہ کام نہیں کرنا۔

اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت دے ان کو سبق خود شگنی خود نگری کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی دارو کوئی سوچ انکی پریشاں نظری کا (اقبالؒ)

استاد کو نہ صرف اس عیارانہ اور کافرانہ حکمت عملی کے نتیجے میں نظامِ تعلیم میں پیدا ہونے والی خرابیوں کا مکمل ادراک کرنا ہے بلکہ اس کی اصلاح کے لئے اس کارِ خیر میں اپنا حصّہ بھی ڈالنا ہے۔ انفرادی کوششیں مل کر ہی اجتماعی اصلاح کا ذریعہ بنتی ہیں۔ ہمیں غیروں کے رنگ میں رنگ کر اس نظام کو تقویت نہیں دینی کہ یہ تو "کاروبارِ لات و منات" ہی کو زندہ کرنے میں آلہ کار بننے کے مترادف ہوگا۔ استاد کو نہ صرف اپنی ذاتی تربیّت اور صلاحیّت کی فکر کرنی ہے بلکہ

بہت سوچ کر یہ فیصلہ بھی کرنا ہوگا کہ وہ جو تعلیم اپنے شاگردوں کو دے رہا ہے اس کا نتیجہ کیا نکل رہا ہے؟ کہیں وہ اقبالؒ کے اس شعر کا مصداق تو نہیں کہ:

حریم تیرا خودی غیر کی معاذاللہ دوبارہ زندہ نہ کر کاروبارلات و منات

اپنے اقدار، تہذیب اور دین کو دوبارہ زندہ کرنے کی جدوجہد ہر فرد کی انفرادی اور بحثیت مسلمان قوم ہماری اجتماعی ذمہ داری ہے۔ مگر اس کے لیے انتھک محنت اور منظّم جدوجہد اولین شرط ہے۔ یہ آسان کام نہیں ہے یہ غیروں کی صدیوں کی محنت اور ہماری صدیوں کی غفلت اور ذہنی غلامی کی پیدا کردہ صورت حال کا نتیجہ ہے۔

بات الجھی ہے تو سلجھے گی بڑی دیر کے بعد
اہل دانش نے بہت سوچ کے الجھائی ہے (اقبالؒ)

یہ بگاڑ ایسے ہی پیدا نہیں ہوا "The protocol" کے دانشور ،لارڈ میکالے کی قماش کے دانشور ، 9/11 کی سفارشات کے دانشور اور کئی دوسرے اہل دانش نے مل کر مسلمانوں کے نظام تعلیم کو خراب اور برباد کرنے میں اپنا اپنا حصہ ڈالا۔ اگر استاد مسلمان قوم کی اس بیماری کی صحیح تشخیص کرلے تو انشاءاللہ اس کا تیر بہدف علاج بھی کرنا مشکل نہ ہوگا۔استاد کا کام یہ ہے کہ احسن طریقے اور حکمت سے محنت کرے۔اس کے نتیجے میں کون بدلتا ہے اور کس کو اللہ یہ توفیق نہیں دیتا، اس کی ذمہ داری اللہ نے اس پر نہیں ڈالی۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ۔

ترجمہ: "(اے نبی ﷺ) ہم نے سب انسانوں کے لیے یہ کتاب برحق تم پر نازل کر دی ہے۔ اب جو سیدھا راستہ اختیار کرے گا اپنے لیے کرے گا اور جو بھٹکے گا اُس کے بھٹکنے کا وبال اُسی پر ہوگا، تم اُن کے ذمّہ دار نہیں ہو۔" (سورۃ الزُّمر۔۴۱)

جب رسول اللہ ﷺ کی بھی یہ ذمہ داری نہیں لگائی گئی کہ لازماً تبدیلی لائیں تو پھر ہمیں بھی نتیجے کا انتظار کئے بغیر اپنا کام جاری رکھنا ہے۔ اللہ ہمیں اجر اسی کا دے گا کہ ہم یک سوئی اور خلوصِ دل سے تعلیم کے ذریعے تبدیلی کی کوشش کریں۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ استاد پوری محنت سے اپنی علمی اور پیشہ وارانہ استعداد بڑھانے کی کوشش اور بندوبست کرے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں بطریقِ احسن ادا کر سکے۔ اگر کوئی استاد اپنے طلباء کو اپنا مضمون صحیح طور پر نہیں پڑھا اور سمجھا سکتا تو اس کی باقی باتوں کا اثر شاید اُلٹا ہی ہو۔ پیشہ ورانہ مہارت ہو گی تو تب ہی شاگرد پر باقی باتیں بھی اثر انداز ہوں گی۔ پیشہ ورانہ مہارت اوّلین ترجیح ہے جس کے لیے استاد کو پوری کوشش اور محنت کرنی ہو گی۔ اگر وہ اپنے طالب علموں تک مقصد حیات اور دعوت کا پیغام پہنچانا چاہتا ہے تو اسے دنیاوی طور پر بھی اپنے پیشے میں اعلیٰ درجے کی اہلیت حاصل کرنی چاہیے۔

ایک مسلمان استاد کو یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ معلّمی پیشہ نہیں بلکہ ایک مشن ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کی میراث ہے۔ معلّم کا کام صرف معلومات منتقل کرنا نہیں بلکہ طلبہ کی تربیت اور تزکیہ بھی اس کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ اگر ایک طالبعلم کو "مقصد زندگی" کی تعلیم نہ دی جائے اور وہ اپنی تعلیم کو صرف دنیاوی آسائشوں اور حصول دولت کا ذریعہ سمجھنے لگے تو اُس سے فراغت کے بعد معاشرے میں ایک تعمیری اور مثبت کردار کی توقع عبث ہو گی۔ سنار اگر بھٹّی میں چاندی ڈالے اور امید یہ رکھے کہ اس سے سونا نکلے لگا تو ایسے سنار کو لوگ پاگل ہی کہتے ہیں۔ استاد کو بھی سوچنا ہو گا کہ وہ اپنے شاگرد کے ذہن میں کیا ڈال رہا ہے؟ حضرت عمرؓ نے ایک بڑی عجب اور زبردست بات کی تھی کہ "طالب دنیا کو علم سکھانا ڈاکو کے ہاتھ تلوار فروخت کرنا ہے"۔ اگر تعلیم کا محور صرف دنیا ہی ہے اور یہ شاگرد کی روحانی نشوونما کا سبب نہیں بن رہی تو پھر استاد کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اپنے شاگردوں کو اپنے ہی

ہاتھوں تلوار ہی فروخت کر رہے ہیں اور وہ اس کا استعمال کسی بھی وقت کسی کے خلاف (بشمول استاد) بھی کر سکتا ہے۔ آج معاشرہ انہی پڑھے لکھے ڈاکوؤں سے بھرا پڑا ہے۔

اگرچہ ہمارا موضوع تعلیم اور استاد تک محدود ہے لیکن یہ بات تو واضح ہے کہ بچے کی تربیت میں والدین، حکومت اور معاشرے کے کئی اور طبقات کے اثرات اور اہمیت کو کسی صورت بھی کم نہیں سمجھنا چاہیے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہاں میں دو مزید اہم باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان میں وسائل کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اللہ نے پاکستان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے اور بے پناہ قدرتی اور انسانی وسائل دیے ہیں۔ یہاں صرف چند کی مثال دی جاتی ہے[14،15]

امریکہ کے بعد پاکستان میں دنیا کے سب سے بڑے کوئلے کے ذخائر (۱۷۵ ارب ٹن) ہیں جو ۶۱۸ ارب بیرل تیل کے برابر ہیں۔ اور اگر پاکستان روزانہ تقریباً ایک کروڑ بیرل روزانہ استعمال کرے تو صرف موجودہ ذخائر ہے ہماری ۲۰۰ سال کی ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔ یاد رہے سعودی عرب اس وقت روزانہ ۹۰ لاکھ بیرل روزانہ فروخت کر رہا ہے۔ اور ساتھ ہی گیس کے اب تک کے دریافت شدہ ۲۵ کھرب مکعب فٹ کے ذخائر بھی ہیں۔ اسی کے علاوہ بلوچستان میں دنیا کے پانچویں بڑے سونے اور تانبے کے ذخائر ہیں۔

دنیا میں سب سے زیادہ گھی، بھینس کا دودھ اور گوشت پاکستان میں پیدا ہوتا ہے۔ یہی حال چنے کی پیداوار کا بھی ہے۔ بھنڈی کی پیداوار میں پاکستان تیسرا، روئی، آم، بکری کا دودھ اور خوبانی کی پیداوار میں چوتھا جب کہ دودھ، پیاز اور گنّے کی پیداوار میں پاکستان دنیا میں پانچویں نمبر پر ہے۔

---

[14] http://www.daily.pk Tuesday, 18 November 2008

[15] http://www.cssforum.com.pk/css-compulsory-subjects/pakistan-affairs/33042-pakistans-natural-

پاکستان دنیا کا واحد ایٹمی اسلامی ملک ہے اور اس کے پاس دنیا کی بہترین اور جدید ترین میزائل ٹیکنالوجی ہے اور حال ہی میں نہ صرف "عقاب" کے نام سے اپنے ڈرون طیّارے بلکہ جاسوسی کرنے والے جدید ترین اواکس طیّارے بھی بنا چکا ہے۔ یہ سب کچھ الحمدللہ ملک کے اندر موجود پاکستانی سائنسدانوں ہی کی محنت شاقہ سے ممکن ہوا ہے۔

پاکستان میں اتنے وسائل ہیں کہ ایک مخلص، قابل اور صالح قیادت اور انتظامیہ (بشمول بیوروکریسی) ان کا صحیح استعمال کر کے اس ملک کے عوام کی تقدیر بدل سکتی ہے اور پاکستان کو دنیا میں ایک ممتاز مقام دلا سکتی ہے مگر ایسے افراد اسی نظام تعلیم کی پیداوار ہو سکتے ہیں جس کا مطمح نظر اور مقصد ایسے ہی باکردار اور باصلاحیت افراد تیار کرنا ہو۔

سب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے　　زوال بندۂ مؤمن کا بے زری سے نہیں

دوسری اہم بات اساتذہ کی پیشہ ورانہ تنظیموں کا کردار بھی ہے۔ یہ تنظیمیں اساتذہ کی بہبود اور پیشہ ورانہ کے مسائل کے ساتھ ساتھ اساتذہ کی ذہنی تربیت اور تعلیمی نظام کو قومی اور اسلامی خطوط پر استوار کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ ان کی مشترکہ جدجہد سے قوم کے نونہالوں کے لئے کم وقت میں ایسا نصاب اور نظام تعلیم بنایا اور نافذ کیا جا سکتا ہے جو نہ صرف پاکستان کا مستقبل سنوار دے گا بلکہ پوری امّت مسلمہ کے لیے بھی مشعل راہ ثابت ہو گا۔

علم کے ذریعے تبدیلی کی جدو جہد ہر استاد کا قومی فریضہ اور دینی ذمہ داری ہے۔ اگر اسے زندگی میں یہ تبدیلی دیکھنا نصیب ہو گئی تو فبہا اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر بھی اسے اللہ کے حضور سرخرو ہونے کی قوی امید رکھنی چاہیے۔

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنے، ہارے بھی تو بازی مات نہیں